چین اور کشمیر

قدیم سیاسی اور ثقافتی رشتے

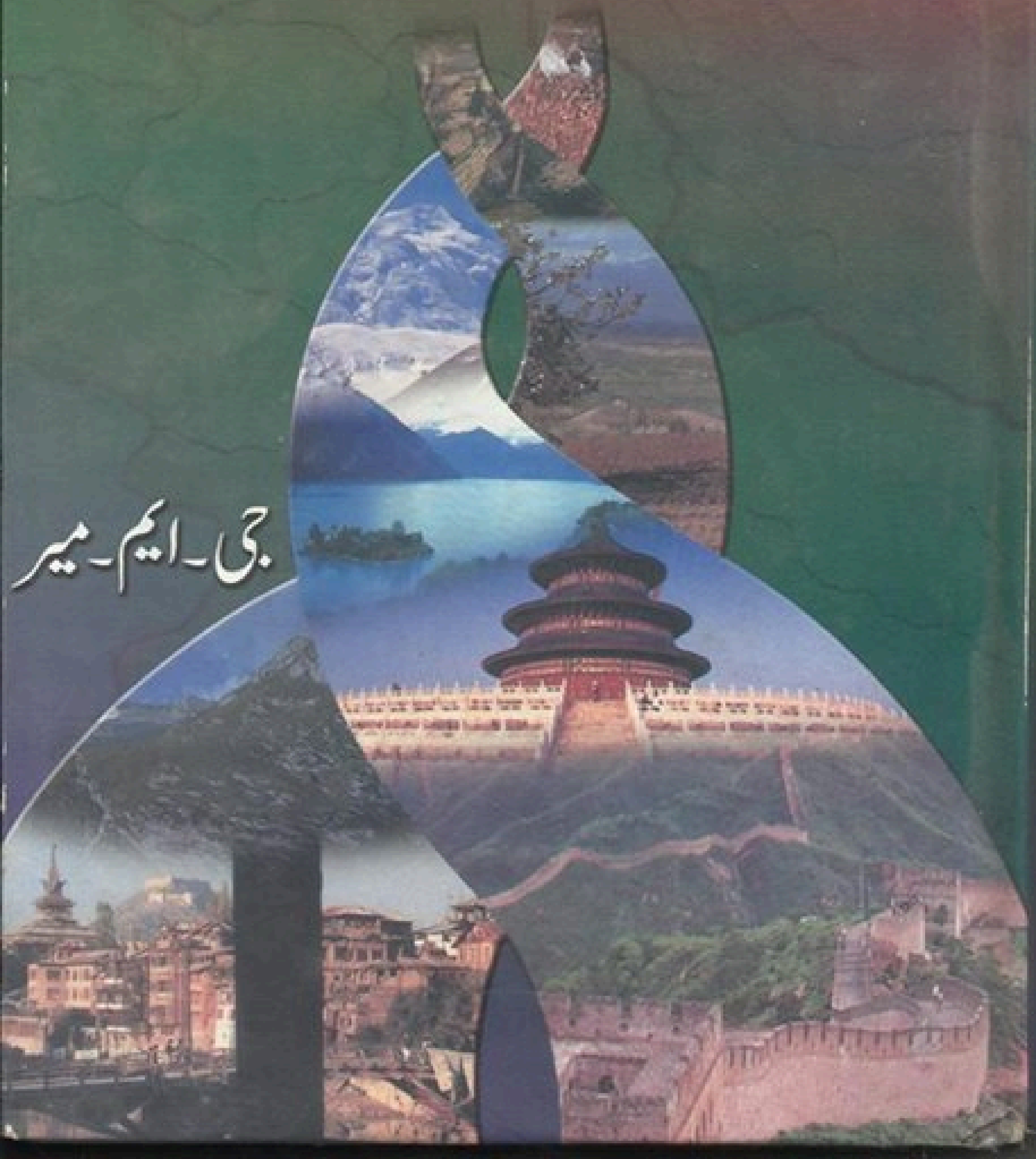

جی۔ایم۔میر

باب: 1

جغرافیائی اور تاریخی حقیقتیں

ریاست جموں کشمیر براعظم ایشیا کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ اس لحاظ سے اسے ایشیا کا دل کہا جاتا ہے۔ اسکا حدود اربعہ کچھ یوں بنتا ہے کہ اس کے شمال اور مشرق میں عوامی جمہوریہ چین' جنوب میں بھارت اور پاکستان اور مغرب میں پاکستان کا شمال مغربی سرحدی صوبہ اور افغانستان واقع ہیں۔ ریاست کی سرحدوں کی کل لمبائی 1700 میل ہے جس میں سے 750 میل چین کے ساتھ' 600 میل پاکستان کے ساتھ' 300 میل بھارت کے ساتھ اور 50 میل افغانستان کے ساتھ ملتی ہے۔ افغانستان سے ملنے والی 50 میل سرحد دراصل ایک پٹی ہے جو کشمیر کو وسط ایشیا کے ملک تاجکستان سے جدا کرتی ہے۔ اس پٹی کو 1890ء میں روسی اور برطانوی سامراج نے ایک معاہدے کے تحت افغانستان کے ساتھ شامل کیا تھا تاکہ زار روس کی افواج کو کشمیر اور ہندوستان کی طرف پیش قدمی سے روکا جا سکے۔ اس طرح اس پٹی کی حیثیت ایک ''بفرزون'' کی تھی۔ اس کی چوڑائی بعض مقامات پر صرف 10 میل ہے۔ اس طرح عوامی جمہوریہ چین نے شمال اور مشرق میں ریاست جموں کشمیر کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ یہ جغرافیائی صورت حال ہزاروں سال سے قائم ہے۔

کشمیر کے عظیم ہمسایہ عوامی جمہوریہ چین کا تعارف:

رقبہ 3696100 مربع میل۔ براعظم ایشیا کا زیادہ تر رقبہ چین میں شامل ہے۔

آبادی 1190431000 (ایک ارب 19 کروڑ 43 لاکھ 31 ہزار) (1990 کی مردم شماری)

scaned by israr mughal

info secrtary jammu and kashmir liberation front

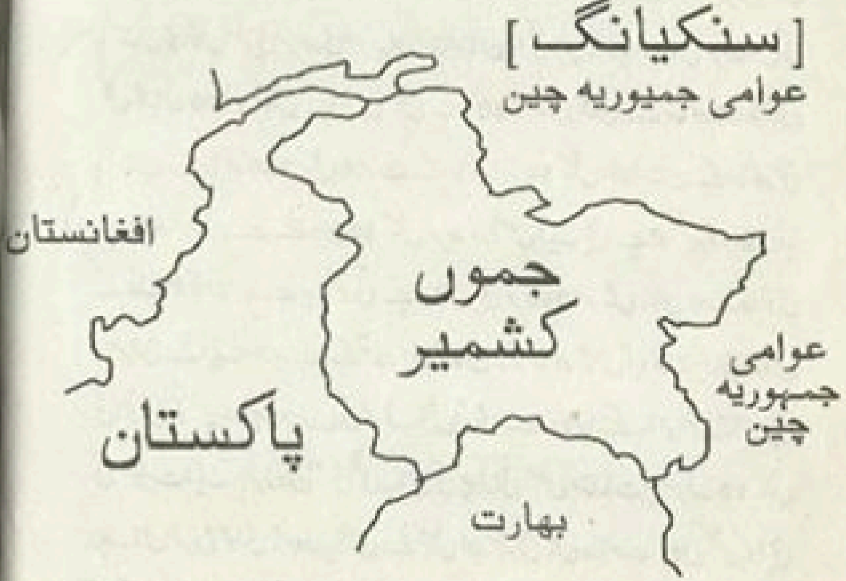

حدود اربعہ۔ چین کے شمال میں منگولیا' شمال مشرق اور شمال مغرب میں روس مغرب میں افغانستان' پاکستان' تاجکستان' قزاقستان اور کشمیر جنوب میں ہندوستان' نیپال' بھوٹان اور میانمر۔ شمال مشرق میں شمالی کوریا۔ عوامی جمہوریہ چین کی 750 میل لمبی سرحد کشمیر سے ملتی ہے۔

چین کی تاریخ بہت قدیم ہے ۔ 5000 قبل مسیح میں یہاں حجری (Neolithic) دور اور زرعی دور کا کھوج لگایا جاچکا ہے ۔ کانسی کی دھات کا استعمال اور چینی زبان کے لئے تصویری رسم الخط شانگ دور حکومت میں 1500 ق م سے 1000 ق م تک رائج تھا۔ اگلے 3000 سال چین اندرونی خانہ جنگیوں میں الجھا رہا۔ 1271ء سے 1368ء تک منگولیا کی یوان (Yoan) سلطنت نے چین پر اپنی حکومت قائم کی۔ اسکے بعد چنگ (Ching) دور حکومت میں "مان چو" قبیلے نے 1644ء سے 1911ء اپنا اقتدار قائم کیا۔ 19ویں صدی میں روس' جاپان' برطانیہ اور دوسری طاقتوں نے چین کے مختلف علاقوں پر اپنا اقتدار قائم کیا۔ 1894 سے 1945 تک چین جاپان کے ساتھ تنازعات میں الجھا رہا۔ 1898ء میں چین نے کوریا' تائیوان اور دوسرے علاقوں سے دستبرداری کا اعلان کیا۔

یکم جنوری 1912ء کو ڈاکٹر سن یات سین (Dr. Sun Yat Sen) کی ایک تحریک کے نتیجہ میں چین ایک ری پبلک (جمہوریہ) قرار پایا۔

18 ستمبر 1931ء کو جاپان نے شمال مشرقی صوبہ منچوریہ (Manchuria) اپنے قبضے میں لایا اور وہاں اپنی حکومت قائم کی۔ 7 جولائی 1937 کو جاپان نے چین پر جارحیت کی ۔ دوسری جنگ عظیم میں شکست کھانے کے بعد جاپان نے سارے

مقبوضہ علاقے واپس کر دیے۔

1949-50ء میں چین پر اشتراکی افواج کا اقتدار قائم ہو گیا۔ 21 ستمبر 1949ء کو پیکنگ میں عوامی جمہوریہ چین کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

15 فروری 1950ء کو چین اور روس نے 30 سالہ دوستی کے معاہدے پر دستخط کیے۔

25 اکتوبر 1971ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے تائیوان کی رکنیت خارج کر کے عوامی جمہوریہ چین کو اقوام متحدہ کا ممبر قرار دیا۔ امریکی صدر رچرڈ نکسن نے وزیر اعظم چو این لائی کی دعوت پر 21 سے 28 فروری 1972ء کے دوران چین کا دورہ کیا۔

9 ستمبر 1976ء کو عظیم رہنما ماؤزے تنگ کا انتقال ہو گیا۔ 15 دسمبر 1978ء امریکہ نے عوامی جمہوریہ چین کی حکومت کو رسمی طور پر تسلیم کر لیا۔

سنکیانگ:

کشمیر کے شمال میں چینی ترکستان کا وسیع و عریض خطہ واقع ہے جو عوامی جمہوریہ چین کا ایک خود مختار صوبہ ہے اور سنکیانگ (Xinjiag) کہلاتا ہے۔ اس خطے کے کشمیر کے ساتھ بہت گہرے تعلقات رہے ہیں۔ اس کا رقبہ 633802 مربع میل ہے جو چین کے کل رقبے کا چھٹا حصہ ہے۔ معدنی پیداوار کے لحاظ سے یہ چین کا اہم ترین خطہ ہے۔ چین میں پیدا ہونے والی معدنیات میں کوئلہ، لوہا، سیسہ، سرمہ اور مگنیز وغیرہ شامل ہیں۔

(''ورلڈ المانک 1995ء''صفحہ 755)

1990ء کی مردم شماری کے مطابق سنکیانگ کی آبادی 15.1 ملین یعنی ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے۔ ارومچی (Urumchi) سنکیانگ کا دارالحکومت ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ''حسین چراگاہ''۔ یہ شہر ریل کے ذریعے چین کے دارالحکومت پیکنگ (بیجنگ) سے ملا ہوا ہے۔ ارومچی کے علاوہ سنکیانگ کے مشہور شہروں میں پیر علی، تاش، کرغان، کاشغر، طرفان، یارقند، ختن، قُرقان، کورلا، شہید اللہ، کوچہ اور آکسو شامل ہیں۔

پیر علی خنجراب سے شاہراہ ریشم کے ذریعے چین میں داخل ہونے کے بعد پہلا شہر ہے۔ تاش کرغان کاشغر جانے والی سڑک پر خنجراب سے 119 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے تاش کرغان کے لفظی معنی ''مینار سنگ'' ہیں۔ کاشغر تاش کرغان سے 280 کلومیٹر شمال میں دریائے کاشغر کے کنارے آباد ہے۔ یہ شہر دو ہزار سالہ تاریخ کا حامل ہے۔ کاشغر کی سرسبز و شاداب وادی سنگلاخ بے آب و گیاہ کوہستانوں کے درمیان ایک نخلستان کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ سارا علاقہ پھلوں، سبزیوں، کپاس اور گندم کی پیداوار اور مویشیوں کی افزائش کے لئے بہت مشہور ہے۔ کاشغر سے ارومچی کا فاصلہ 1482 کلومیٹر ہے۔

قرقان کا قدیم شہر ارومچی سے 198 کلومیٹر جنوب مشرق میں ہے۔ اس تاریخی شہر میں 1400 سال پرانے مقبرے اور بدھ زمانے کے 1000 غار بہت مشہور ہیں۔ یارقند کا قدیم تاریخی شہر کاشغر سے 180 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ اس کی آبادی ساڑھے چار لاکھ ہے۔ زمین زرخیز ہونے کی وجہ سے یہاں کثرت سے مختلف اجناس، پھل اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یارقند کے نمدے دنیا بھر میں بہت مشہور

ہیں۔ یہاں سے درہ قراقرم کے راستے تجارتی قافلے سری نگر آیا کرتے تھے۔ ختن کا تاریخی شہر صدیوں سے عقیق، ریشم اور قالینوں کے لئے مشہور ہے۔ یہ شہر یارقند سے 320 کلومیٹر جنوب مشرق کی جانب واقع ہے۔ ختن کا نافہ (کستوری) دنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے۔

اس شہر کو بدھ مت کی تعلیم، ثقافت اور تہذیب کا مرکز گردانا جاتا تھا۔ بدھ مت یہاں کشمیری مبلغوں کے ذریعہ پہنچا اور صدیوں تک رائج رہا۔ چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں یہاں کے عوام نے اسلام قبول کیا۔ حضرت میر سید علی ہمدانی نے کشمیر اور بلتستان میں اشاعت اسلام کے بعد 783 ہجری میں لداخ کے راستے چینی ترکستان کا سفر کیا اور یہاں تبلیغ اسلام کا کام کیا۔

ذرائع آمدورفت، درّے اور شاہراہیں:

جموں کشمیر کے خطہ ارضی کو ایک مخصوص جغرافیائی حیثیت حاصل ہے۔ اسے چاروں اطراف سے فلک بوس کوہستانی سلسلوں نے اپنے تحفظ میں لیا ہوا ہے۔ شمال میں کوہستان قراقرم کا سلسلہ ہے جسکی سطح سمندر سے بلندی 28000 فٹ تک جاتی ہے۔ مغرب میں کوہستان ہندوکش کے سلسلے اسے وسط ایشیا کے ممالک سے جدا کئے ہوئے ہیں۔ مشرق اور جنوب میں عظیم ہمالیہ کے سلسلہ ہائے کوہ نے اسے اپنے تحفظ میں لیا ہوا ہے۔ کشمیر کی اس جغرافیائی خصوصیت کا بیشتر مورخین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

کشمیر کے نامور مورخ 'راج ترنگنی' کے مصنف پنڈت کلہن نے لکھا ہے:۔

''کشمیر ایک ایسا ملک ہے جسے روحانی اوصاف سے تو مسخر کیا جاسکتا

ہے لیکن عسکری طاقت سے فتح نہیں کیا جاسکتا''

(باحزئی "پولیٹکل اینڈ کلچرل ہسٹری" جلد 1 صفحہ 10)

تیموری دور کے مورخ شرف الدین نے اپنی مشہور عالم تصنیف ''ظفر نامہ'' میں لکھا ہے:۔

''اس ملک کو چاروں طرف سے کوہستانی سلسلوں نے اپنے تحفظ میں لیا ہوا ہے اور اس کے باشندے کسی قسم کی قلعہ بندیوں کی زحمت اٹھائے بغیر دشمنوں کی یلغار سے محفوظ و مامون ہیں۔''

(شرف الدین "ظفر نامہ" بحوالہ باحزئی جلد 1 صفحہ 10)

گیارھویں صدی میں محمود غزنوی نے کشمیر تسخیر کرنا چاہا۔ مورخ البیرونی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ کشمیر تو فتح نہ ہوسکا لیکن مورخ البیرونی نے کشمیر کی خاطر خواہ سیاحت کی۔ اور یہاں کے حالات اپنی کتاب ''کتاب الہند'' میں درج کئے۔ البیرونی لکھتا ہے:۔

''کشمیری باشندے قدرتی طور پر اپنے ملک کی محفوظ حیثیت کو جو اسے فلک بوس پہاڑوں اور ناقابل عبور راستوں کے سبب حاصل ہے قائم رکھنے کے خواہش مند ہیں اور وہ کشمیر میں داخل ہونے والے تمام راستوں، سرحدوں اور دروں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

(محمد امین پنڈت "کشمیر کی مختصر تاریخ" صفحہ 101)

مغل شہنشاہ اکبر کے وزیر اور مورخ ابوالفضل اپنی تاریخ ''اکبر نامہ'' میں لکھتے ہیں:۔

''چاروں اطراف بلند و بالا کوہستانی سلسلے جن کی چوٹیاں آسمانوں کو چھوتی

ہیں سنتریوں کا کام دیتے ہیں۔ اگرچہ کشمیر میں داخل ہونے کے چھ سات راستے موجود ہیں لیکن اگر چند عمر رسیدہ خواتین بلندیوں سے پتھر لڑھکانا شروع کر دیں تو بہادر سے بہادر آدمی بھی یہاں سے گزرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر بیرونی حکمرانوں نے کشمیر کو فتح کرنے کا خیال تک دل میں نہ لایا اور مصلحت بینی نے انہیں اس خواہش سے دور رکھا۔''

(ابوالفضل ''اکبرنامہ'' بحوالہ کشمیر ان دی کراس فائر'' وکٹوریہ شوفیلڈ۔ صفحہ 20)

تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ زمانہ قدیم سے ہی کشمیر کے باشندوں نے ان کوہستانی سلسلوں میں واقع دروں کو عبور کر کے اور آمدورفت کے لئے شاہرائیں اور گزرگاہیں بنا کر باہر کی دنیا سے ہر دور میں تعلقات استوار کئے۔ اس وقت ہمارا موضوع چین اور کشمیر کے درمیان قدیم زمانے سے موجود روابط کا جائزہ پیش کرنا ہے اس لئے ہم ان دونوں ممالک کے درمیان موجود دروں، شاہراہوں اور گزرگاہوں کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں۔

درّے Passes:

درۂ خنجراب (Khanjerab):

یہ درہ سطح سمندر سے 15420 فٹ کی بلندی پر ہنزہ کے شمال میں چین کی سرحد پر واقع ہے۔ مغربی چین کے تجارتی قافلے اسی درے سے گزر کے گلگت ہوتے ہوئے کشمیر آتے رہے ہیں۔ شاہراہ ریشم اسی درے سے گزر کر پہلے کشمیر اور پھر

پاکستان میں داخل ہوتی ہے یہاں جنگلی حیات کا ایک عظیم پارک بنایا گیا ہے۔

درۂ شمشال (Shimshal):

اسکی بلندی سطح سمندر سے 15440 فٹ ہے۔ ہنزہ کے شمال میں واقع ہے اور ریاست کو چین سے ملاتا ہے۔

درۂ منتکا (Mintaka):

اسکی بلندی سطح سمندر سے 15469 فٹ ہے۔ ہنزہ کے شمال میں واقع ہے۔ گلگت کو مغربی سنکیانگ سے ملاتا ہے۔

درۂ مستاغ (Mustag Pass):

یہ درہ مستاغ چوٹی کے دائیں پہلو میں واقع ہے۔ پرانے زمانے میں ترکستان کے تاجر اور دیگر کارواں بلتستان اور کشمیر کے لئے اسی درے سے گزرتے تھے۔ یہاں مستاغ ٹاور کے دروں میں چھٹی ساتویں صدی عیسوی کا ایک پولو گراونڈ موجود ہے جہاں ''بلور'' (بلتستان) کے پلولا شاہی بادشاہ اور ختن کے بادشاہ امن کے دنوں میں پولو (چوگان) کھیلا کرتے تھے اور شکار کرتے تھے۔ اس پولو گراونڈ کے قریب ایک سرائے اور رہائشی کمروں کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ بلتستان والوں کا دعویٰ ہے کہ پولو کے کھیل کی ابتداء یہیں سے ہوئی تھی۔ کیونکہ یہاں کی زبان میں گیند کو پولو کہتے ہیں۔

(رضا علی عابدی ''شیر دریا'' صفحہ 66)

درہ قراقرم (Karakoram):

یہ درہ سطح سمندر سے 18290 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہ کشمیر کے صوبہ لداخ کو سنکیانگ سے ملاتا ہے۔ اس درے کی ہمیشہ بہت اہمیت رہی ہے۔ چین اور وسط ایشیا کے مختلف ممالک کے تجارتی قافلے اسی راستے سے کشمیر آتے جاتے رہے ہیں۔ قراقرم ترکی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہیں "کالی چٹانیں"۔

درہ حاجی لنگر (Haji Langar):

اقصائے چین کے شمال میں واقع ہے۔ لداخ کو چین کے صوبہ سنکیانگ سے ملاتا ہے۔

درہ زوجیلا (Zojila):

سطح سمندر سے 13000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے وادی کشمیر کو مشرق میں لداخ سے اور مغرب میں بلتستان سے ملاتا ہے۔ مغربی سنکیانگ کے تجارتی قافلے خنجراب سے گلگت میں داخل ہو کر زوجیلا سے گزر کر سری نگر پہنچتے رہے ہیں۔ درہ قراقرم سے گزر کر آنے والے قافلوں کو بھی درہ زوجیلا سے گزر کر سری نگر آنا پڑتا ہے۔ رنچن شاہ اور مرزا حیدر دوغلات اسی درے سے گزر کر کشمیر داخل ہوئے تھے۔ زوجیلا کا پرانا نام شرجی لا (Shur Ji La) تھا۔ یعنی شیوجی کا پہاڑ۔

درہ لانک لا اور درہ دم چک (Lanak La, Damchuk):

یہ دونوں درے ریاست کے لداخ ڈویژن کو تبت سے ملاتے ہیں۔ قراقرم کے سلسلہ کوہ میں درہ قرا تیغ (بلندی 17794 فٹ) درہ شاکسگام (بلندی

15695 فٹ) اور درہ آنچل بھی لداخ کو سنکیانگ کے ساتھ ملاتے ہیں۔

لداخ سے تبت جانے والا راستہ درہ مریوم لا (Mariom La) سے گزرتا ہے جو لیہہ اور لہاسہ کے درمیان بلند ترین (13974 فٹ) درہ ہے۔

سڑکیں:

شاہراہ ریشم (Silk Route):

یہ شاہراہ جموں کشمیر کے شمالی علاقوں گلگت بلتستان کو شمال میں چین اور جنوب میں پاکستان سے ملاتی ہے۔ یہ شاہراہ بہت تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ ماضی میں شاہراہ ریشم چین، وسط ایشیا اور کشمیر کے درمیان تجارت اور آمدورفت کا اہم ذریعہ رہی ہے اس شاہراہ نے صدیوں پہلے چین کے مغربی ممالک اور کشمیر کے ساتھ سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی تعلقات قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسی شاہراہ کے ذریعے چین میں تیار ہونے والا اعلیٰ قسم کا ریشم دیگر ممالک کو برآمد کیا جاتا تھا۔ ریشم کی یہی تجارت اس کے نام (سلک روٹ یا شاہراہ ریشم) کا سبب بنی۔

قدیم سلک روٹ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ شمالی، وسطی اور جنوبی۔

شمالی شاہراہ: یومان سے شروع ہو کر خرقان کے راستے سنکیانگ کے دارالحکومت اروچی پہنچتی ہے اور یہاں سے مغربی سمت آگے بڑھتی ہوئی قازقستان میں داخل ہو جاتی ہے اور آخر کار بحر اسود (Black Sea) تک جا پہنچتی ہے۔ اروچی میں اس کی ایک شاخ جنوب میں آکر کورلا کے مقام پر وسطی شاہراہ سے مل جاتی ہے۔

وسطی شاہراہ: طرفان سے کورلا، کوچا اور آکسو ہوتی ہوئی کاشغر پہنچتی ہے۔ کاشغر

نقشہ شاہراہ ریشم

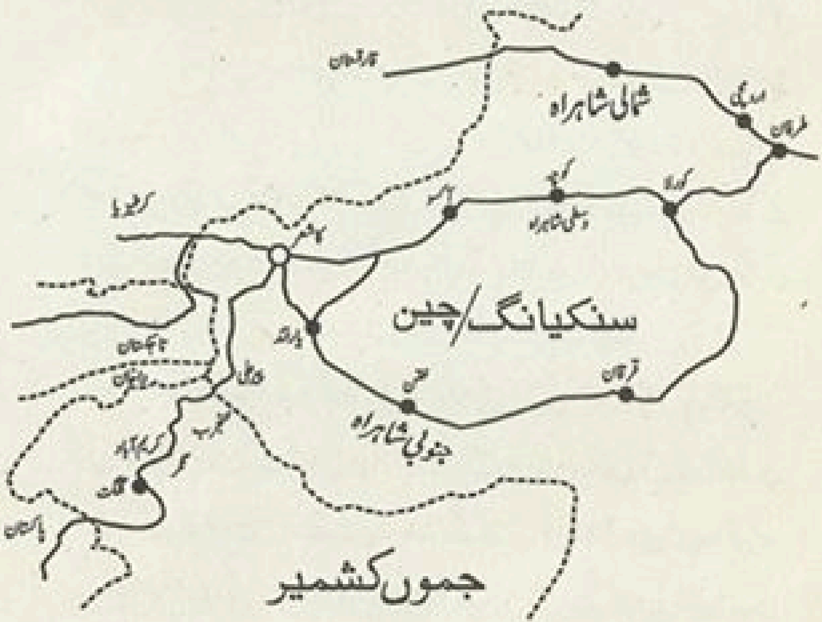

سے ایک شاخ مغرب کی جانب کرغیزیا میں داخل ہو کر وسط ایشیا کی دوسری ریاستوں کی طرف بڑھ جاتی ہے۔ کرغیزیا سے اس کی ایک شاخ جنوب کی طرف تاجکستان کی سطح مرتفع پامیر کو عبور کر کے افغانستان کے راستے ایران جا نکلتی ہے (نقشہ ملاحظہ فرمائیں)۔

جنوبی شاہراہ؛ جنوبی شاہراہ خرقان کے جنوب میں کورلا ختن اور یارقند سے ہو کر کاشغر پہنچتی ہے جہاں یہ وسطی شاہراہ میں شامل ہو جاتی ہے۔ یہاں سے یہ دونوں مل کر جنوب کی جانب تاش کرغان اور پیرعلی سے ہوتی ہوئی درہ خنجراب کے راستے کشمیر میں داخل ہو کر گلگت کے راستے پاکستان میں داخل ہو جاتی ہے۔

زمانہ حال میں چین اور پاکستان نے مل کر اس شاہراہ کو پختہ کیا ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان اسی راستے سے تجارت ہوتی ہے۔ اس کی تعمیر نو کا آغاز 7 جنوری 1959ء کو ہوا تھا۔ اس کے مکمل ہونے میں 20 سال کا عرصہ لگا۔ 18 جنوری 1978ء کو جنرل ضیاء الحق نے اس کا باقاعدہ افتتاح کیا۔ درہ خنجراب سے گلگت کا فاصلہ 180 میل ہے جبکہ گلگت سے راولپنڈی کا فاصلہ 390 میل ہے۔

شاہراہ ریشم کا مستقبل بہت شاندار ہے۔ کشمیر کو آزادی حاصل ہو گئی تو یہ شاہراہ عظیم ہمسایہ ملک چین اور وسط ایشیا سے تعلقات کو اور مضبوط بنانے میں تاریخی کردار ادا کرے گی۔

ٹریٹی روڈ (Treaty Road):

1870ء میں انگریزوں نے کرنل ڈگلس فورسائیتھ کو یارقند بھیجا، تا کہ وہ روسی پیش قدمی کے مقابلے کے لئے اس علاقے کی سٹریٹیجک اہمیت کا اندازہ کر سکے۔ اسی

زمانے میں لداخ کے راستے یارقند تک ایک تجارتی شاہراہ تعمیر کرنے کا خیال سامنے آیا۔ کشمیر کے مہاراجہ رنبیر سنگھ کو مشرقی ترکستان تک اپنا تجارتی اثر بڑھانے کا خیال آیا اس مقصد سے اس نے 1864ء میں ختن کے جنوب مغرب میں شہید اللہ کے مقام پر ایک چوکی قائم کی۔ اس نے ختن کے امیر سے تعلقات بڑھانے کی کوشش کی۔ رنبیر سنگھ نے برطانوی سروے ٹیم کے ایک ممبر ولیم جانسن کو اجازت دی کہ وہ اس علاقے کا جامع نقشہ تیار کرے اور ریاست کی شمال سرحدوں کا تعین کرے۔

رنبیر سنگھ کی اس آزادانہ خارجہ پالیسی پر برطانوی ہند کی گہری نظر تھی تاہم وہ اس تجارتی راستے سے فائدہ حاصل کرنے کی فکر میں بھی تھے۔ 1863ء میں انہوں نے مہاراجہ کے ساتھ ایک تجارتی معاہدے پر دستخط کئے۔ 1864ء میں مہاراجہ نے ڈاکٹر ہنری کیلے (Henry Cayley) کو ٹریڈ کمشنر کی حیثیت سے لیہہ میں رکھنے کی اجازت دی۔ 1870ء میں انگریزوں کو اس تجارتی شاہراہ سے جسے ٹریٹی روڈ (Treaty Road) کا نام دیا گیا، گزرنے کی اجازت مل گئی۔ یہ شاہراہ سرینگر سے زوجیلا کے راستے لیہہ پہنچتی ہے اور وہاں سے تانگ سے (Tangtse) سے ہوتی ہوئی اقصائے چین کو چلی جاتی ہے۔ تانگ سے سے اس کی ایک شاخ درہ قراقرم کے راستے سنکیانگ میں داخل ہو جاتی ہے۔ اقصائے چین سے گزر کر یہ سڑک درہ حاجی لنگر سے ہوتی ہوئی مشرقی ترکستان (سنکیانگ) میں داخل ہو جاتی ہے۔

("کشمیر ان دی کراس فائر" وکٹوریہ شوفیلڈ۔ صفحہ 79-80)

لیہہ سے یارقند کا فاصلہ درہ کھر دونگ لا (18374 فٹ) اور درہ ساسر لا (17480 فٹ) کے راستے 779 کلومیٹر (530 میل) ہیں۔ سرینگر سے لیہہ جانے

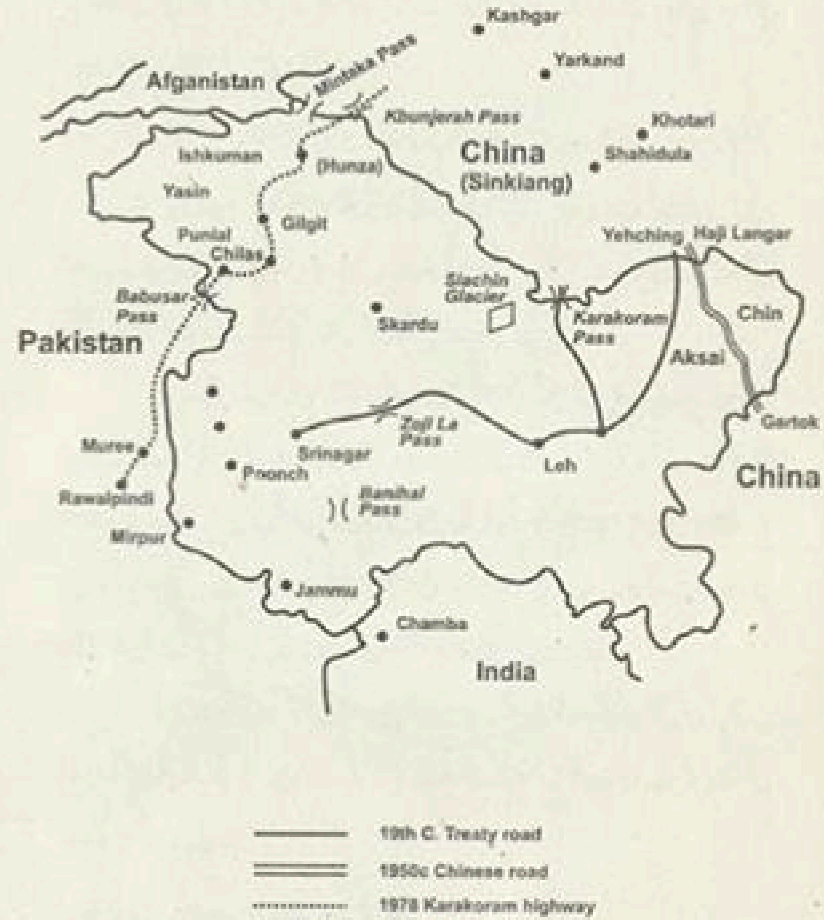

والی شاہراہ کا حال آگے درج کیا جا رہا ہے۔

چین نے 57-1956ء میں اقصائے چین میں ایک موٹر روڈ تعمیر کی جو تبت میں گارٹوک کے مقام سے شروع ہو کر اقصائے چین کو عبور کرتی ہوئی سنکیانگ میں ''یہہ چنگ'' (Yehcheng) تک جاتی ہے۔ اس وقت لداخ کا یہ علاقہ بھارتی حکومت کے تسلط میں تھا۔ حکومت کو پتہ بھی نہ چلا اور چین نے ایک شاہراہ تعمیر کر ڈالی۔ بعد میں جب حکومتِ ہند نے اس پر اعتراض کیا تو چینی حکومت نے جواب دیا کہ جب ہم یہ سڑک تعمیر کر رہے تھے تو ہمیں کہیں بھی کوئی بھارتی سنتری نظر نہیں آیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ بھارت کا اس علاقے پر کنٹرول نہیں ہے۔

(یہ سڑک تریتی روڈ والے نقشے پر نظر آ رہی ہے۔) (باجری جلد 3 صفحہ 792)

سری نگر لیہہ روڈ:

یہ سڑک سری نگر سے گگن، سونہ مرگ، زوجیلا اور دراس کے راستے کرگل پہنچتی ہے۔ کرگل سے مشرق کی طرف ٹل بج، خلاصی اور سنیل گومپا سے ہوتی ہوئی لیہہ پہنچ جاتی ہے۔ سرینگر سے لیہہ تک اس کا فاصلہ 390 کلومیٹر (232 میل) ہے۔

باب: 2

بدھ مت کشمیر میں

چھٹی صدی قبل مسیح میں بدھ مت کا آغاز مشرقی ہندوستان کے مقام ''کپل وستو'' ہوا تھا۔ لیکن اس عقیدے کو مہاتما بدھ کی وفات کے ایک سو سال بعد کشمیر میں عروج حاصل ہوا۔ ''لائف آف بدھا'' کے مصنف راک حل نے دعویٰ کیا ہے کہ بدھ مت کو رشی مدھیانتیکا کشمیر لے کر آئے تھے۔ گوتم بدھ کے جانشین ''نندا'' نے اپنی وفات کے وقت رشی مدھیانتیکا کو طلب کر کے گوتم بدھ کی یہ پیش گوئی بتائی کہ بدھ دھرم کا اصل ارتقاء ارض کشمیر میں ہوگا۔ چنانچہ اس پیش گوئی کو پورا کرنے کے لئے رشی مدھیانتیکا 310 اور 400 قبل مسیح کے دوران کشمیر آئے اور یہاں بدھ مت کی تبلیغ کی۔ اس طرح پانچویں صدی قبل مسیح کے نصف اول میں ہندوستان کی جگہ کشمیر بدھ مت کا مرکز بن گیا۔

(''کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر'' پی این کے بامزئی۔ صفحہ 73,72,61)

بدھ مت کی دوسری بودھ کونسل پاٹلی پتر میں منعقد ہوئی تھی جس میں بدھ مت کے ھنایان فرقہ کے قواعد و ضوابط اور تعلیمات کو ضبط تحریر میں لایا گیا۔ مہاراجہ اشوک نے بدھ مت کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اشوک نے دو بار کشمیر کا دورہ کیا۔ دوسرے دورے میں اس نے کشمیر کے دارالحکومت سرینگر کی بنیاد رکھی۔ دارالحکومت کی بنیاد جس مقام پر رکھی گئی تھی وہ موجودہ شہر سری نگر سے 5 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ اشوک اپنے ساتھ ہندوستان سے 5000 بدھ بھکشو لے کر آیا۔ اور انہیں کشمیر میں

scaned by israr mughal

info secrtary jammu and kashmir liberation front

آباد کیا۔ ایک روایت کے مطابق کشمیر میں آباد ہونے والے بدھ بھکشو اپنے ساتھ زعفران کے پودے بھی لے کر آئے تھے جنہیں کشمیر میں کاشت کیا گیا۔ رفتہ رفتہ زعفران کشمیر کی ایک قیمتی پیداوار بن گیا۔

بدھ مت کی تیسری عالمی کونسل کنشک کے دور حکومت میں سری نگر میں منعقد ہوئی جو چھ ماہ تک جاری رہی۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ اس کانفرنس کے نتیجہ میں کشمیری بودھ عالموں میں زبردست جوش وخروش پیدا ہوگیا۔ اور انہوں نے دشوار گزار کوہستانی دروں سے اپنے مذہب کے پیغام کو چین اور دوسرے ممالک تک پہنچانے کے لئے زبردست کام کیا۔ کشمیری مبلغین کی ایک بڑی تعداد نے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر مشرقی اور شمالی سلسلہ ہائے کوہ کے ناقابل عبور دروں کو پار کر کے چین کے وسیع براعظم میں مہاتما بدھ کا پیغام پہنچایا۔ ایک جرمن سکالر واسل یف (Wassilyef) نے اپنی کتاب ''بدھ ازم'' میں لکھا ہے:۔

''بدھ مت کی تاریخ میں اس مذہب کے کشمیر میں پھیلنے کا واقعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے بعد یہ سرزمین بدھ عقیدے کے مہایان مکتب فکر کا سرچشمہ بن گئی اور اس مذہب کو پھیلانے میں کشمیر نے اہم کردار ادا کیا۔''

کشمیر میں بدھ مت کو متعارف کرانے کا کریڈٹ ''مدھیانتیکا'' نامی بودھ بھکشو کو جاتا ہے۔ جو گوتم بدھ کے ایک قریبی ساتھی ''آنند'' کا چیلا تھا۔ اس سلسلہ میں گوتم بدھ کی ایک پیش گوئی کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ آنند کا شاگرد مدھیانتکا بدھ مت کو کشمیر میں پھیلائے گا۔

(بامزئی جلد اول صفحہ 72)

بدھ مت کے متعلق محفوظ ریکارڈ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بدھ مت کشمیر میں تیسری صدی قبل مسیح سے 12ویں صدی عیسوی تک موجود رہا ہے۔

مہاراجہ اشوک نے اپنے دور اقتدار میں 5000 بدھ بھکشوؤں کو اس غرض سے کشمیر میں لاکر آباد کیا تھا کہ بدھ مت کے ہنایان مکتب کو کشمیر اور ملحقہ علاقوں میں رواج دیا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ اعلیٰ تعلیم کے حصول اور روحانی ارتقاء کے حصول کے لئے کشمیر ایک مثالی جگہ ہے۔

بدھ کی آمد نے کشمیر کی معاشرتی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کیا۔ اس سے قبل ذات پات کا جو نظام یہاں داخل ہوا تھا، عام کشمیریوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ چنانچہ بدھ مت کو عوام الناس نے قبولیت بخشی اور مہایان مکتب فکر کو قبول عام حاصل ہوگیا۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس نئے پیغام کو وسط ایشیا کے ممالک تبت، چین، جاپان اور دوسرے ممالک تک پھیلانے میں کشمیری علماء نے بہت کام کیا۔ اس کے جواب میں ان تمام علاقوں سے بڑی تعداد میں نوجوان حصول علم کے لئے کشمیر آنے لگے۔ اور بعض لوگ حصول تعلیم کے لئے وادی میں ہی آباد ہو گئے۔ اس آمدورفت کے نتیجے میں دونوں ممالک کے عوام میں ربط وضبط کا ایک سلسلہ چل پڑا۔

بتایا جاچکا ہے کہ مہاراجہ اشوک نے کشمیر میں بدھ مت پھیلانے میں بہت دلچسپی لی تھی اور وہ بڑی حد تک کامیاب ہوگیا تھا۔ لیکن اس کا بیٹا ''جلوکا'' بدھ مت کا سخت مخالف تھا۔ اس نے بہت سی خانقاہیں تباہ کردیں۔ کنشک نے پہلی صدی عیسوی میں بدھ مت کو دوبارہ زندہ کردیا۔ اس کے عہد میں سری نگر میں بدھ مت کی تیسری

عالمی کانفرنس ہوئی۔ کنشک نے بودھ عقیدے کے تمام علماء کو اس میں شرکت کی دعوت دی جن میں سے 499 عالموں کو کانفرنس میں شرکت کے لئے چن لیا گیا ان عالموں کی رہائش کے لئے ایک بستی تعمیر کی گئی۔ کانفرنس میں شرکت کرنے والوں میں اشو گھوس، وشوامترا اور ناگ ارجن جیسے عظیم المرتبت فاضل شامل تھے۔

کانفرنس میں بدھ مت کی تمام تعلیمات، بنیادی اصولوں، نظریات اور روایات پر سیر حاصل بحث ہوئی۔ اس کے بعد ان تعلیمات کو عام فہم زبان میں قلمبند کیا گیا۔ کنشک کے حکم پر کانفرنس کے تمام فیصلوں کو تانبے کے پتوں پر کندہ کرا کے فولاد کے صندوقوں میں بند کر دیا گیا اور اس جگہ پر ایک سٹوپا بنا دیا گیا۔ کنشک نے اس علمی خزانے کی حفاظت کے لئے سخت احکامات جاری کئے۔ جن کے تحت صندوق میں بند ان پتوں کو یہاں سے کہیں اور منتقل کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔ حکم دیا گیا کہ کوئی شخص ان سے استفادہ کرنا چاہے تو یہاں آ کر کر سکتا ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ تا حال اس مقام کو تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ مورخ بامزئی لکھتے ہیں کہ کشمیر کے محکمہ آثار قدیمہ کے سپرنٹنڈنٹ مدھوسدھن کول نے انہیں بتایا ہے کہ یہ مقام سری نگر کی جھیل ڈل کے کنارے زبے ون پہاڑ پر کنتلن (Kuntlun) کے آس پاس ہو سکتا ہے۔

کتاب ''گوتم بدھ'' کے مصنف محمد حفیظ کے مطابق یہ کونسل 125 یا 148ء کے زمانے میں منعقد ہوئی تھی۔ اس میں 500 علماء اور راہب شامل ہوئے تھے۔ اس کونسل کی صدارت وشوبندھو نے کی تھی۔ اس کونسل میں بدھ مت کی تین تفسیریں تیار ہوئی تھیں جنہیں بدھ مت کی شریعت کا نہایت مستند ذخیرہ سمجھا جاتا ہے۔

(محمد حفیظ سید ''گوتم بدھ'' صفحہ 93)

ناگ ارجن مہایان فرقہ سے وابستہ ہونے والا پہلا شخص تھا۔ مہایان کے پیروکاروں کے لئے ناگ ارجن بصیرت کے اعتبار سے گوتم بدھ کے بعد دوسرے درجے پر ہے۔

(''مشرق کے عظیم مفکر'' ترجمہ: یاسر جواد۔ صفحہ 104)

ایان پی میک گریل نے اپنی کتاب ''مشرق کے عظیم مفکر'' میں ناگ ارجن کو 19 ویں نمبر پر رکھا ہے اور صفحہ 103 سے 113 تک اس کا تعارف پیش کیا ہے۔

(ایضاً۔ صفحہ 104)

مورخ بامزئی لکھتے ہیں:۔

''پانچویں صدی قبل مسیح کے نصف اول میں ہندوستان کی جگہ کشمیر بدھ مت کا مرکز بن گیا۔ کئی صدیوں تک یہاں بدھ مت کا عروج رہا۔ یہاں سے اس عقیدے کے پھیلاؤ کا سارا کریڈٹ کشمیری بودھ علماء کو جاتا ہے۔

بدھ ازم کے مہایان مکتب فکر نے کشمیر میں جنم لیا۔ ان جدید نظریات کو چین اور وسط ایشیا کے علاقوں میں پھیلانے میں کشمیر بودھ علماء نے جو شاندار کارنامے سرانجام دیے ان کی تفصیلات مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر سری لنکا، تبت اور چین میں محفوظ ہے۔''

(پی این کے بامزئی۔ صفحہ 73,72,61)

نیلہ مت پران کے مطابق بدھ مت کو ایک کشمیری عالم ناگ ارجن کے ہاتھوں بہت ترقی نصیب ہوئی۔ پرانے رسم و رواج ختم ہو گئے۔ ذات پات کی تمیز مٹ گئی۔ نئے خیالات ابھرنے لگے۔ نئے مذہب کو عروج ملا تو کشمیر کے علاوہ وسط

ایشیا کے شہر ختن اور کاشغر (سنکیانگ) بھی بدھ دھرم کے مراکز بن گئے۔

(کے واریکو "سنٹرل ایشیا اینڈ کشمیر" صفحہ 84)

کشمیر بدھ مت کی اعلیٰ تعلیمی درسگاہ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس نئے عقیدے کی مختلف علمی شاخوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے دانشور محنتِ شاقہ سے کام لیتے ہوئے نزدیک اور دور سے آنے والے طلباء کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کر رہے تھے۔ ہندوستان سے جو طلباء اس میدان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے کشمیر آتے، کشمیری کارکنوں کی لگن اور جذبے سے متاثر ہوتے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے۔

(بامزئی جلد اوّل۔ صفحہ 92)

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ قبلائی خان کے دور میں جب "مارکوپولو" ایک سیاح کی حیثیت سے چین آیا تو اسے منگولوں اور لاماؤں سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ کشمیر کو بدھ مت کا وہ منبع سمجھتے تھے جہاں سے یہ بیرونی ممالک میں پھیلا۔ کشمیر کو وہ لوگ تقدس اور عزت کے انہی احساسات کے ساتھ دیکھتے تھے جن سے برما میں رہنے والے بودھ سیلون (سری لنکا) کو دیکھتے ہیں۔

(بامزئی جلد اوّل۔ صفحہ 95)

چینی سیاحوں اور یاتریوں کی کشمیر آمدورفت:

جہاں ایک طرف کشمیر کے بودھ عالم، مبلغ اور راہب چین کی عظیم مملکت میں کشمیر کے مذہب، ثقافت اور علوم وفنون کی ترویج اور تشہیر میں مصروف تھے دوسری طرف چین کے طالب علموں، سیاحوں اور متلاشیانِ حق کی کشمیر میں آمدورفت

کا سلسلہ جاری تھا۔ چین کے علم کے متلاشی اور بدھ مت کے زائرین اپنے مقدس مذہبی مقامات کے درشن اور بدھ عالموں سے حصولِ علم کی خاطر لمبے سفر پر روانہ ہوتے تھے۔ کشمیر چونکہ ان کا قریب ترین پڑوسی ملک تھا کشمیر کی 750 میل سرحدیں چین سے ملتی تھیں۔ ہندوستان و دیگر مغربی ممالک کو جانے کے لئے بھی کشمیر سے گزرنا پڑتا تھا۔ تاریخی ریکارڈ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ چینی اور تبتی طلباء اور راہب بڑی تعداد میں آتے جاتے رہے ہیں۔ اسکا ذکر پنڈت کلہن نے اپنی مشہور تاریخ "راج ترنگنی" میں راجہ میگھ واہن کے دور کا ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"اُس کی (میگھ واہن کی) ملکہ نے جس کا نام امرت پربھا تھا ایک "وہار" (مسافر خانہ) تعمیر کرایا جس کا نام امرت بھون رکھا گیا۔ یہ مسافر خانہ غیر ملکی سیاحوں کی رہائش کے لئے تعمیر کیا گیا۔ اس کے علاوہ ملکہ کے باپ کا گرو "لوہ" نام کے کسی غیر ملکی مقام سے آیا تھا چنانچہ اس کے نام سے ایک سٹوپا تعمیر کیا گیا جس کا نام "لوہ سٹوپا" رکھا گیا۔"

(بامزئی۔ جلد اوّل۔ صفحہ 96)

مورخ سٹین (Stein) کی تحقیق کے مطابق یہ مسافر خانہ سری نگر کی آبادی واند بھون میں واقع تھا۔ 759ء میں جب چینی سیاح "اوکوانگ" نے کشمیر کی سیاحت کی تو یہ وہاں اچھی حالت میں موجود تھا۔

اس سے قبل ہم بدھ مت کے کشمیری عالموں اور راہبوں کا احوال بیان کر چکے ہیں جنہوں نے مختلف ادوار میں چین کے طول وعرض میں جا کر بدھ مذہب کی ترقی و ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اب ہم چین کے بعض مشہور عالم سیاحوں کا

تعارف پیش کریں گے جنہوں نے مختلف ادوار میں کشمیر کی سیاحت کی اور اس طرح نہ صرف دونوں ممالک کے عوام کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا سبب بنے بلکہ اپنے سفرناموں کے ذریعے مشرق و مغرب میں کشمیر کو دنیا کے بیشتر ممالک سے متعارف کرانے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

فاہین (Fa-Hien):

فاہین نے 399ء میں کشمیر کی سیاحت کی۔ وہ مشرقی ترکستان کے راستے لداخ میں داخل ہوا اور پھر لداخ اور گلگت کا دورہ کیا۔ اس نے بیان کیا کہ بدھ مت اس ملک میں نہایت عروج اور ترقی کی حالت میں ہے اور ہندوستان کے قدیم عقائد (برہمن ازم) متروک ہو چکے ہیں۔ فاہین کے ساتھ ایک کشمیری رفیق کار "بدھ جیوا" تھا جو اس کے ساتھ ہی چین چلا گیا۔

چی مانگ (Che-Mong):

فاہین کے دورہ کے تھوڑے عرصے بعد ایک اور چینی سیاح "چی مانگ" (Che-Mong) کشمیر آیا۔ چی مانگ 404ء میں "چانگ نگ" سے 14 راہبوں کے ہمراہ کشمیر اور ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوا۔ ایک کشمیری راہب اس گروپ کے ہمراہ بطور گائیڈ شامل ہو گیا۔ وسط ایشیا کے نہایت دشوار اور صبر آزما سفر کے بعد یہ گروپ پامیر پہنچا۔ چی مانگ نے صرف چھ ساتھیوں کے ہمراہ پامیر کو عبور کیا۔ کیونکہ بقیہ ساتھی سفر کی دشواریوں کی وجہ سے جواب دے گئے تھے۔ کشمیری گائیڈ بھی درے عبور کرتے ہوئے اپنی جان گنوا بیٹھا۔ چی مانگ اور اس کے ساتھیوں نے کشمیر میں طویل عرصہ قیام کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہندوستان کے متبرک مقامات کی یاترا کے لئے سفر

اختیار کیا۔ چی مانگ 424ء میں چین واپس چلا گیا اس نے واپسی کے لئے بھی وہی راستہ اختیار کیا جس سے وہ آیا تھا۔

فایونگ (Fa-Yong):

فایونگ اور اس کے 20 راہب ساتھی 420ء میں طرفان، کوچہ، کاشغر ہوتے ہوئے پامیر پہنچے۔ یہاں سے پامیر کے دروں کو عبور کر کے وادی گلگت میں داخل ہوئے اور آخر کار کشمیر پہنچے۔ ان لوگوں نے وادی کشمیر میں ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گزارا۔ اور یہاں سنسکرت زبان کے علاوہ بدھ مت کی روایات اور حقائق کا مطالعہ کیا۔ فایونگ اس کے بعد ہندوستان میں بدھ مت کے مقدس مقامات کی زیارت کرتا ہوا سمندری راستے سے چین واپس چلا گیا۔

ھیون سیانگ (Heun Tsiang):

چین کا عظیم ترین بودھ عالم اور رہنما ھیون سیانگ 631ء میں ایک لمبے سفر پر روانہ ہوا۔ علم و آگہی کے اس متلاشی نے عام وسط ایشیائی راستے سے سفر کرتے ہوئے ہزارہ کی طرف سے کشمیر میں قدم رکھا جو اُس زمانے میں اروشا (Urusha) کہلاتا تھا۔ اس نے وادی کشمیر میں مئی 631ء سے اپریل 633ء تک قیام کیا اور بدھ مت کے علوم اور شاستروں کا مطالعہ کرتا رہا۔ اس کی آمد کی اطلاع پا کر کشمیر کے بادشاہ دُرلبھ وردھن نے اپنے بھتیجے کو پیشوائی کے لئے بارہ مولہ بھیجا۔ اور جب ھیون سیانگ دارلحکومت پہنچا تو بادشاہ اپنے تمام درباریوں سمیت اس کو خوش آمدید کہنے کے لئے ذاتی طور پر باہر آیا۔ راستے کو رنگ برنگے جھنڈوں سے سجایا گیا تھا اور سڑک پر پھول کی پتیاں بچھائی گئی تھیں۔ بادشاہ نے مہمان کو ایک ہاتھی پر سوار

کرایا اور جلوس میں محل تک لے گیا۔

بادشاہ کو جب معلوم ہوا کہ اس کا مہمان دور دراز سے حصول علم کی چاہت میں آیا ہے لیکن اسے یہاں مطلوبہ کتابیں نہیں مل رہیں، اس نے 20 پڑھے لکھے ملازمین کو ھیون سیانگ کے سپرد کیا تاکہ وہ بدھ ازم کے بارے میں علمی کتابوں اور مسودات کی نقول بنا کر اس کا کام آسان کر دیں۔

ھیون سیانگ 600ء میں پیدا ہوا تھا۔ بچپن سے ہی بہت محنتی اور ذہین تھا۔ 17 سال کی عمر میں بودھ بھکشوؤں کی منڈلی میں خطاب کیا کرتا تھا۔ اس نے 646ء میں ''مغربی سرزمینوں کی روئداد'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو اس کی شہرت کا سبب بنی۔ آج بھی یہ کتاب ایک اہم ترین ماخذ سمجھی جاتی ہے۔ ھیون سیانگ 664ء میں وفات پا گیا۔

(''مشرق کے عظیم مفکر'' ایان میک گریل۔ صفحہ 22-321)

ھیون سیانگ نے کشمیر میں بہت سے مذہبی ادارے دیکھے جن میں 5000 کے قریب بودھ بھکشو رہائش پذیر تھے۔ ان میں سے ایک عبادت گاہ میں مہاتما بدھ کا دانت بطور تبرک کے محفوظ تھا۔

ھیون سیانگ نے کشمیر کی بہت تعریف کی ہے۔ اس نے کشمیر کے جغرافیہ، حکمران کی فراخ دلی، عوام کے عادات و اطوار اور لباس پر روشنی ڈالی ہے۔ اس نے لکھا:۔

''کشمیر کی مملکت کا محیط 700 فرسنگ یعنی تقریباً 2100 میل ہے۔ اس کے چاروں اطراف کے کوہستان، جو اس کی سرحد بناتے ہیں، فلک بوس بلندی

کے حامل ہیں۔ ان میں سے گزرنے والے درے نہایت تنگ ہیں اسی لئے اس کے پڑوس کی ریاستیں اس پر حملہ نہیں کرتیں۔ ملک اجناس کی پیداوار کے لئے بہت موزوں ہے۔ پھولوں کی بھی یہاں بہتات ہے۔

ھیون سیانگ کے دور میں کشمیر کی سیاسی سرحدیں ٹیکسلا تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جب وہ چین واپس چلا گیا تو چین کے بادشاہ نے شایان شان طریقہ سے اس کا استقبال کیا۔''

(بامزئی۔ جلد اول۔ صفحہ 97)

اوکانگ (Ou-Kong):

ھیون سیانگ کے بعد ایک اور چینی سیاح اوکانگ، جسے دھرم دت کا نام بھی دیا گیا ہے، کابل اور گندھارا ہوتا ہوا کشمیر آیا۔ اس نے یہاں چار سال قیام کیا۔ وہ یہاں 759ء میں پہنچا تھا۔ یہیں اس نے بدھ مذہب کے راہب ہونے کا آخری حلف اُٹھایا۔ اس نے سنسکرت زبان سیکھی اور تین اساتذہ سے ونائے (Vinaya) کے سات ابواب کا درس لیا۔

اس نے کشمیر میں مونگ تے (Mong Te) وہار کے علاوہ سات بودھ تنظیموں کا ذکر کیا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں:۔

1- ایتا بھون 2- آننگ یا آنند بھون 3- کی چے (Ki-Tche)
4- تاؤ کی۔ لے 5- جوجو Jo-Jo 6- یے۔ لی۔ تے۔ لو (Ye-Li-Te-Lo)
7- کوتون (Ko-Toon)

اس نے ملک میں تین سو سے زائد خانقاہوں اور سٹوپاؤں نیز مجسموں کی

بڑی تعداد کا کھوج لگایا۔ کشمیر میں چار سال گزارنے کے بعد اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ گندھارا چلا گیا اور وہاں جو۔لو۔لی (Jou-Lo-Li) خانقاہ میں قیام کیا۔

(بامزئی "کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر" صفحہ 99)

کشمیری مبلغین چین میں:

عظیم ہمسایہ مملکت چین میں جس کشمیری عالم نے پہلے پہل تبلیغ کا کام کیا، اس کا نام "کمارجیوا" تھا۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کمارجیوا نے کشمیر میں اپنی تعلیم کے دوران بدھ مت کے جید علماء سے تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھا۔ ولیم جیمل (William Gemmel) کے مطابق کمارجیوا خود بھی کشمیری الاصل تھا۔ اس کا باپ کمارائن کسی چھوٹے رجواڑے میں وزیر کے منصب پر فائز تھا۔ کسی وجہ سے وہ یہ منصب چھوڑ کے کوچہ (Kucha) سنکیانگ چلا گیا۔ جہاں وہ ترقی کر کے راج گرو کے عہدے تک پہنچ گیا۔ کوچہ میں قیام کے دوران 'جیوا' نامی شہزادی کمارائن کی محبت میں گرفتار ہوگئی اور ان کی شادی ہوگئی۔ ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے "کمارجیوا" رکھ دیا۔ بچے کی ماں 'جیوا' نے اپنے بیٹے کمارجیوا کی تعلیم و تربیت کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ کوچہ میں ابتدائی تعلیم دلوانے کے بعد وہ اسے 9 سال کی عمر میں اپنے ساتھ کشمیر لے آئی۔ یہاں اس نے نامور کشمیری بودھ عالم "بندھودت" سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کمارجیوا خود ایک بلند پایہ عالم بن گیا۔ اور اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ وہ اپنے ساتھ کشمیری علماء کی ایک جماعت لے کر کوچہ واپس چلا گیا۔ جہاں اس نے ایک خانقاہ قائم کی اور سنسکرت زبان کی کتابوں

کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ اس کے شاگردوں میں چینی یاتریوں کی بڑی تعداد شامل ہو گئی۔ 383ء میں بادشاہ "فوچین" نے اپنے جرنیل "لوکوانگ" کو کوچہ پر چڑھائی کا حکم دیا۔ لوکوانگ کامیاب ہو گیا۔ قیدیوں میں کمارجیوا بھی شامل تھا۔ لوکوانگ کوچہ کی خوبصورتی اور آب و ہوا سے اتنا خوش تھا کہ مستقل یہیں رہنا چاہتا تھا۔ لیکن کمارجیوا نے پیش گوئی کی کہ اس کے (لوکوانگ) نصیب میں ابھی بڑی بڑی کامیابیاں لکھی ہوئی ہیں۔ وہ دونوں وسطی چین کی طرف روانہ ہوئے۔ لوکوانگ ریاست "لیانگ" کا حکمران بن گیا۔ جبکہ کمارجیوا عظیم بدھ عالم کے طور پر بہت نامور ہوا۔ چین کے شہنشاہ کی فرمائش پر وہ دارلحکومت چلا گیا۔ اس نے اپنا مقصد (مشن) وہاں بھی جاری رکھا۔ کچھ کشمیری عالم دوست بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے اور انہوں نے تعلیم و تبلیغ کا کام جاری رکھا۔

کمارجیوا 413ء میں چین کے دارلحکومت میں انتقال کر گیا۔

آنے والے دور میں بہت سے کشمیری عالموں نے چین کے طول و عرض میں بدھ مذہب کی خدمت کا کام جاری رکھا۔ جن میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:۔

سنگھابوٹی (Sangha Buti) 381ء میں چین پہنچا اور 383-84ء تک کام کرتا رہا۔ اس نے بھی بودھ لٹریچر اور سنسکرت کتابوں کا چینی زبانوں میں ترجمہ کیا۔

گوتم سنگھا (Gautam Sangha) 384ء میں کشمیر سے چین کے شمالی شہر "چانگ انگان" پہنچا۔ اس نے بھی ترجمے کے علاوہ تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ 391ء میں وہ جنوبی چین کے شہر لوشان (Lu Shan) چلا گیا۔ وہاں سے وہ

''نانکنگ'' (Nanking) پہنچا جہاں اس نے بڑا نام پیدا کیا اور حکمران حلقوں میں خاصا اثر ورسوخ پیدا کیا۔

ان کشمیری بودھ عالموں اور مبلغوں کے علاوہ پونیا ترت، دھرم یاس، بدھ یاس، وما لکھش اور بدھ جیوا شامل ہیں۔ جنہوں نے چین جا کر تبلیغ کا کام کیا۔

''پونیا ترت'' کمارا جیوا کی دعوت پر چوتھی صدی کے آخر میں چین گیا اور 404ء میں اس کے ساتھ کام کرتا رہا۔

''دھرم یاس'' ایک برہمن کا بیٹا تھا۔ وہ چودہ سال کی عمر میں پونیا ترت کے ساتھ چین آیا۔ وہ 397ء اور 401ء کے درمیان کسی وقت چین پہنچا اور 432-435ء تک دوسرے کشمیری علماء کے ساتھ مل کر وہاں کام کرتا رہا۔

''بدھ یاس'' بھی ایک کشمیری برہمن کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کے باپ نے اسے 13 سال کی عمر میں ایک راہب کے حوالے کیا۔ تاہم سال کی عمر میں وہ چین چلا گیا۔

''وما لکھش'' کمار جیوا کے ساتھیوں میں سے تھا۔ جب کمار جیوا کو کوچہ سے قیدی بنا کر چین بھیجا گیا تو وما لکھش بھی اس کے پیچھے چین پہنچ گیا۔ وہاں اس نے 406ء سے 413ء تک کمار جیوا کے ساتھ کام کیا۔ 413ء میں کمار جیوا کی وفات کے بعد وہ جنوبی چین چلا گیا اور بقیہ عمر وہیں گزاری۔

''بدھ جیوا'' فاہین کا ساتھی تھا۔ 423ء میں سمندر کے راستے جنوبی چین پہنچ گیا اور بقیہ ساری عمر وہیں گزاری۔

''گوناورمن'' سرزمین کشمیر کے ایک سپوت گوناورمن کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ شہزادہ

گوناورمن کشمیر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بچپن سے طبیعت میں مذہب کی طرف رجحان تھا۔ اس نے نوعمری میں ہی بدھ مت کا مطالعہ کیا۔ اسی دوران کشمیر کا بادشاہ لاولد انتقال کر گیا۔ وزراء اور امراء نے گوناورمن کو تخت سنبھالنے کی دعوت دی لیکن اس نے یہ دعوت قبول نہ کی۔ بجائے اس کے بدھ مت کا پیغام دنیا بھر میں پھیلانے کے لئے ایک لمبے سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہ پہلے ہندوستان چلا گیا وہاں سے لنکا پہنچا۔ اور اس کے بعد جاوا پہنچ گیا۔ یہ 418ء کا واقعہ ہے جاوا میں ان دنوں برہمن ازم کا دور دورہ تھا۔ گوناورمن نے بدھ مت کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں تبدیلی واقع ہوئی اور سارا ملک بدھ مت کا پیروکار ہو گیا۔ حتیٰ کہ 423ء میں جاوا کا بادشاہ اور اس کا خاندان بھی بدھ مت میں شامل ہو گیا۔

گوناورمن کی شہرت دور دور تک پھیل گئی حتیٰ کہ چین کے شہنشاہ نے ایک وفد جاوا بھیجا جس نے گوناورمن کو چین آنے کی دعوت دی۔ 431ء میں گوناورمن ''نانکنگ'' پہنچ گیا۔ شہنشاہ خود اس کے استقبال کو آیا چین میں صرف ایک سال گزارنے کے بعد 432ء میں وہ انتقال کر گیا۔

(باہزئی۔ جلد اوّل۔ صفحہ 91)

''دھرم متر'' ایک اور کشمیری فاضل کا نام دھرم متر ہے جسے دھیان یعنی استغراق اور مراقبہ کے فلسفہ کا ماہر گردانا جاتا ہے۔ اس کی ملاقات گوناورمن سے 431ء میں ہوئی تھی۔ اس نے استغراق یعنی ''دھیان'' کے موضوع پر لکھی گئی سنسکرت کی متعدد کتابوں کا چینی زبان میں ترجمہ کیا اور 424ء میں جنوبی چین چلا گیا۔ اور اپنی وفات یعنی 442ء تک وہیں رہا۔

''بدھ ورمن'' ایک اور کشمیری مبلغ بدھ ورمن 433ء کے لگ بھگ مغربی چین پہنچا۔ اس نے ''مہاو بھاش شاستر'' کے ساٹھ ابواب کا سنسکرت سے چینی میں 39-437ء میں ترجمہ کیا۔

''رتن چنت'' کشمیر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والا ایک جوہر قابل تھا۔ 693ء میں ''لویانگ'' پہنچا۔ اس نے تین۔ چو۔ سی (Tien-Chu-Sse) کے نام سے ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی اور 693ء سے 706ء تک سنسکرت کی سات کتابوں کا چینی میں ترجمہ کیا۔ اس کا انتقال 721ء میں ہوا۔

''تین۔ سی۔ سائی'' چین کی دسویں صدی کی تاریخ کے ریکارڈ میں ''تین۔ سی۔ سائی'' (Tien-Si-Tsai) کا ذکر ملتا ہے جو کشمیر کا رہنے والا تھا۔ وہ چین کے دارلحکومت پہنچا تو چین کے شہنشاہ نے دارالترجمہ کا انچارج بنا دیا۔ یہ اس کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ چینی زبان کے لٹریچر میں دوسو سے زائد کتابوں کا اضافہ ہوا۔

''مو۔ لو۔ شی۔ کی'' 1005ء میں ایک کشمیری راہب ''مو۔ لو۔ شی۔ کی'' چین پہنچا اور وہاں دوسرے راہبوں کے ساتھ مل کر خدمات سرانجام دیتا رہا۔

(باحزئی۔ جلد اول۔ صفحہ 90)

باب: 3

چین اور کشمیر کے قدیم سیاسی اور ثقافتی رشتے

میر پور کا تاریخی سیمینار:

27 فروری 2002ء میر پور کے جبیر ہوٹل میں ادبی اور ثقافتی ادارہ ''تعبیر'' کے زیر اہتمام ''چین اور کشمیر کے قدیم ثقافتی رشتے'' کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد ہوا۔ سیمینار کے مہمان خصوصی عوامی جمہوریہ چین کے نامور دانشور قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے سکالر، متعدد کتابوں کے مترجم اور اُردو زبان کے ماہر پروفیسر لوشوئی لین تھے۔ اور صدارت کے فرائض کشمیر کے معروف دانشور جی ایم میر نے سرانجام دیے۔ جبکہ تقریب کی کمپیئرنگ کے فرائض ادارہ تعبیر کے چیئرمین پروفیسر خواجہ خورشید احمد نے بطریق احسن ادا کئے۔ انہوں نے مہمان خصوصی کا تعارف کراتے ہوئے اردو زبان اور پاکستان و کشمیر کے عوام سے ان کی محبت اور ان کی اردو زبان کے لئے اب تک کی خدمات کا تفصیل سے ذکر کیا۔ تقریب سے مہمان خصوصی اور صدر محفل کے علاوہ بابائے گوجری رانا فضل حسین، پروفیسر نذیر انجم، پروفیسر امین طارق قاسمی، الحاج جابر آزاد، ڈاکٹر امتیاز علی علوی، پروفیسر صفیہ اکرم، ڈاکٹر امجد انصاری اور میر فضل الرحمن نے خطاب کیا۔

(رپورٹ روزنامہ ''جذبہ'' روزنامہ ''خبریں'' روزنامہ ''کائنات'')

مہمان خصوصی کے خطاب کا مکمل متن ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:۔

مہمانِ خصوصی پروفیسر لُوشوئی لین کا خطاب.......

محترم خواتین وحضرات اور دوستو! السلام علیکم

آج مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ مجھے میر پور آنے اور اس شہر کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں نے یہ شہر دیکھا جس کی تعمیر جگہ جگہ ہو رہی ہے۔ یہ خوش آئند منظر مجھے یاد رہے گا۔

مجھے اس بات کی بھی خوشی ہوئی ہے کہ مجھے اس تقریب میں شریک ہونے اور آپ لوگوں کی محبت، خلوص اور دوستی کو محسوس کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ مجھے اپنے عزیز دوست جی ایم میر صاحب، پاشا صاحب، ممتاز احمد ہاشمی صاحب کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا میں آپ تمام دوستوں کا اور آپ کی مہمان نوازی کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔ میں ادارہ تعمیر کے بھی تمام دوستوں کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔

اس بار پاکستان آئے ہوئے مجھے پورے چھ مہینے ہو گئے ہیں۔ میں اس بار پاکستان ایک طالب علم کی حیثیت سے آیا ہوں۔ کچھ سیکھنے کے لئے آیا ہوں مطالعہ کے لئے آیا ہوں۔ یہ میری ایک دیرینہ خواہش تھی۔ میرا پیشہ مترجم ہے۔ چین میں یہ ایک ہزاروں سال پرانا پیشہ ہے۔ اس پیشہ کا مقصد یہ ہے کہ مختلف زبانیں بولنے والے لوگ ایک دوسرے کو جاننے کے لئے، ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں ناچیز نے تھوڑی سی کوشش کی ہے اور اس ذریعہ سے مجھے پاکستان میں بہت عزت ملی ہے۔ جس کے لئے میں پاکستان کی حکومت اور عوام کا بے حد شکر گزار ہوں۔ میں نے افسانوں کے ترجمے کئے، ٹی وی ڈراموں اور فلموں کے چینی زبان میں ترجمے کئے۔

میں گلگت بلتستان بھی گیا ہوں اور ان علاقوں کے بارے میں جو کچھ میں نے دیکھا ہے، تعارف کے طور پر پیش کیا ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں نے کشمیر کے مسئلے پر باقاعدگی سے کام نہیں کیا۔ میں اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں امید ہے کہ کشمیر کی تاریخ، کشمیر کی ثقافت اور رسم و رواج کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں گی۔

کشمیر بہت قدیم اور دیرینہ تاریخ کا حامل ہے۔ چینی عوام بہت قدیم زمانے سے کشمیر کو جانتے ہیں۔ چین میں بہت قدیم زمانے سے تاریخ لکھنے کا رواج رہا ہے۔ برصغیر پاک وھند میں کشمیر میں ایسا رواج پایا جاتا ہے۔ یہاں بہت قدیم زمانے سے تاریخ لکھنے کا رواج شروع ہوا تھا اور بہت مشہور تاریخی کتابیں لکھی گئی تھیں۔ کشمیری عوام اس روایت پر بہت فخر کر سکتے ہیں کہ کشمیریوں کی تاریخ نویسی کی روایت بہت قدیم ہے۔

چین اور کشمیر کے درمیان دوستی اور ثقافتی رشتوں کی روایت دو ہزار سال سے زیادہ قدیم ہے۔ خاص طور پر بدھ مت کے زمانے میں اسے بہت عروج ملا۔ کشمیر بدھ مت کا ایک اہم مرکز تھا۔ کئی کانفرنسیں ہیں جو کشمیر میں ہوئی تھیں بدھ مت کی تاریخ میں کشمیر کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ بدھ مت کشمیر سے چین تک پھیلا اور پھر آگے کوریا تک پھیل گیا۔ بدھ مت کا علم سیکھنے کے لئے چینی بھکشو کشمیر آتے تھے۔ انہوں نے کشمیر کے بارے میں بہت قیمتی ریکارڈ چھوڑا۔ چین کے بدھ بھکشوؤں نے بدھ مت کی بے شمار کتابوں کا چینی میں ترجمہ کیا۔ یہ ایک قیمتی خزانہ ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے، ہمارے علماء نے بدھ مت کی کتابوں کا ترجمہ تو کیا لیکن یہاں کی قدیم تاریخ راج

ترنگنی کا ترجمہ نہیں کیا۔ اگرچہ جیون نسانگ کی کتاب میں کشمیر کے بارے میں کچھ ریکارڈ ہے لیکن اتنا زیادہ نہیں ہے کہ ہم علم حاصل کر سکیں۔

ایسی قدیم دوستیاں اور اتنی اچھی ہمسائیگی اطمینان کا باعث تو ہے اور اس پر فخر بھی کیا جا سکتا ہے۔ کسی بھی دور میں اہل چین اور اہل کشمیر کے مابین کوئی اختلاف کبھی سامنے نہیں آیا۔ ہمیں چاہیئے کہ اس قدیم دوستی کی تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے تعلقات کو اور بھی مضبوط بنائیں۔ باہمی آمدورفت تعلیمی وثقافتی سرگرمیوں کے ذریعے اپنے عوام کو ایک دوسرے کے قریب لائیں تاکہ پاک چین دوستی کی طرح کشمیر چین دوستی بھی دنیا کے سامنے ایک اور مثال بنے۔

تاریخ میں آتا ہے کہ 511ء میں اس علاقے کی کچھ ریاستوں کے ایلچی چین کے شاہی دربار میں پہنچ گئے تھے۔ ان ریاستوں میں کشمیر اور گندھارا کا نام واضح ہے۔ اس کے علاوہ دو نام اور ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 511ء میں ان علاقوں کی ریاستوں کے چین کے شاہی دربار کے ساتھ تعلقات عروج پر تھے۔

سرکاری طور پر 720ء میں چین کے شہنشاہ نے کشمیر کے راجہ "چندراپیڈ" کی حکمرانی کو تسلیم کرنے کا پروانہ جاری کیا تھا۔ (01) 733ء میں کشمیر کے بادشاہ کے ایلچی چین کے شاہی دربار میں پہنچے۔ شہنشاہ چین نے محل کے اندر ان کو دعوت دی اور ان کو رخصت ہونے پر 500 تھان ریشمی کپڑے کا تحفہ دیا۔ (02) اسی سال چین کے بادشاہ نے کشمیر کے راجہ مکتاپیڈ کی حکمرانی تسلیم کرنے کا پروانہ جاری کیا۔ اس پروانے کا پورا متن چین کی تاریخ میں محفوظ ہے۔

تانگ شاہی خاندان کی حکمرانی کے بعد ایک لمبے عرصے تک ابتر سیاسی

صورتحال کی وجہ سے اور چین میں اندرونی حالات کی تبدیلی کی بنا پر کشمیر کے ساتھ آنا جانا اور تعلقات متاثر ہوئے۔ لیکن عوامی سطح پر حالات متاثر نہیں ہوئے بلکہ آنا جانا جاری رہا۔ خاص طور پر یہ جو کشمیر، گلگت و بلتستان کے علاقے ہیں، انکے ساتھ آنا جانا کبھی متاثر نہیں ہوا، کبھی بند نہیں ہوا بلکہ نسل در نسل آمدورفت اور تجارت جاری رہی۔

بلتستان کی ثقافت اور تاریخ کا مطالعہ کرنے کے لئے میں نے جستجو کی۔ چین کے آرکائیوز (Archives) اور شاہی خاندان کے آرکائیوز سے معلوم ہوا کہ 1768ء تک جو بلتستان کے حکمران تھے اُن کے خصوصی ایلچی ایک بار اپنے ساتھ کشمیر کے تاجروں کو بھی ساتھ لے گئے تھے بلکہ کشمیر میں آئے ہوئے دوسرے ملکوں کے تاجر اور بخارا کے تاجر بھی ساتھ گئے تھے۔ سنکیانگ کے وزیر نے شہنشاہ چین کو اپنی زبان میں رپورٹس بھیجی تھیں جو چین کے آرکائیوز میں محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ بلتستان کے راجاؤں کے خطوط، دو سو سال کے سفارتی خطوط ابھی تک چین کے آرکائیوز میں محفوظ ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلقات اور یہ آمدورفت سرکاری طور پر ہی کافی عرصے تک جاری رہی۔ پھر 1800ء میں بلتستان کے ایلچی جانے کا سلسلہ بند ہو گیا کیونکہ اس کے بعد کا کوئی ریکارڈ مجھے چین کے آرکائیوز (محافظ خانوں) میں نہیں ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سیاسی تبدیلیاں ایسی واقع ہوئیں جن کی وجہ سے نہیں جا سکے۔

1840ء میں برطانیہ نے چین کے خلاف مشرق کی طرف سے جنگ افیون شروع کی۔ ادھر چین کے مغرب میں گلاب سنگھ نے چین کے خلاف جارحیت کی۔ لداخ اور بلتستان پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے تبت کے خلاف جارحیت کی چین اور

برصغیر پاک وہند دونوں سامراجی جارحیت کے شکار ہوئے۔ اس کے زیر اثر ہمارے درمیان دیرینہ قریبی تعلقات بھی متاثر ہوئے۔

اس کے بعد بھارت، پاکستان اور چین کی آزادی کے بعد ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ لیکن ساتھ ہی کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوگیا جو ابھی تک حل نہیں ہوا ہے اور پیچیدہ ہوگیا ہے۔ جس کی وجہ سے چین کے ساتھ آنا جانا تو دور کی بات ہے، وادی کشمیر کے اندر سے دوسرے حصوں میں آنا جانا بند ہوگیا ہے۔

امید ہے کہ کشمیر کا مسئلہ جلد از جلد پُرامن طور پر حل ہو جائے گا اور قدیم زمانے سے جو تجارتی تعلقات اور ثقافتی رابطے پھر بحال ہو جائیں گے اور پھر ان تعلقات کو مزید آگے بڑھایا جائے گا۔

کشمیر نہایت خوبصورت ملک ہے اور دنیا میں جنت ارضی کے نام سے مشہور ہے۔ کشمیری عوام محنتی، جفاکش، باشعور، ذہین اور پُرخلوص ہیں۔ اس بنا پر وہ دنیا بھر میں اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ یہ مقام افسوس ہے کہ مسئلہ کشمیر ابھی تک حل نہیں ہو سکا ہے۔ چین نے ہر موقع پر کشمیر کے ضمن میں اصولی موقف کی حمایت کی ہے۔ چین کی یہ خواہش رہی ہے کہ مسئلہ کشمیر پُرامن طور پر حل ہوتا کہ ایشیا کو مستقل کشیدگی سے پاک کیا جا سکے۔

مجھے یقین ہے کہ کشمیر کے عوام کا ایک بہت روشن اور خوش حال مستقبل ہوگا۔

کسی بھی علاقے کی تہذیب وثقافت پر عبور حاصل کرنے کے لئے اس کی زبان سمجھنا ناگزیر ہے۔ اگرچہ کشمیر اور چین کے درمیان بہت قدیم زمانے سے روابط شروع ہوئے تھے، لیکن پھر بھی ہمارے لوگ آزادی کشمیر کے بارے میں بہت کم جانتے

ہیں۔ تاریخی کام بہت کم ہوا ہے۔ لیکن اب مجھے امید ہے کہ کشمیر کے بارے میں ہمارے عوام کی معلومات میں اضافہ ہو جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ کشمیر کے نوجوان روابط بڑھانے کے لئے ہمارے ملک میں تشریف لائیں گے۔ جیسے ہم اُردو سیکھنے کے لئے پاکستان آئے ہیں، اسی طرح اُمید ہے کہ یہاں کے نوجوان چینی زبان سیکھنے کے لئے چین جائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ ایک ایسا دن بھی آئے گا جب کوئی چینی نوجوان کشمیری زبان سیکھنے کے لئے یہاں آئے گا کیونکہ اس کے بغیر کشمیر کی تاریخ اور کشمیر کی ثقافت کو پورے طور پر سمجھنا ناممکن ہے۔

نوٹ:

☆ پروفیسر لوشوئی لین کے ان دونوں بیانات کی تائید اور تصدیق پی این کے بامزئی کی معرکہ آرا تصنیف ''کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری آف کشمیر'' سے ہوتی ہے۔ بامزئی لکھتے ہیں:۔

(۴۱) پرتاب پیڈ کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا چندر پیڈ تخت پر بیٹھا۔ چین کی تواریخ میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ شہنشاہ چین نے چندر پیڈ کی بادشاہت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے حق میں پروانہ جاری کیا۔

(بامزئی جلد اوّل۔ صفحہ ۱۱۵)

تبت کے حکمران طاقت کے گھمنڈ میں توسیع پسندی کے عزائم کے تحت مشرق ومغرب میں جارحیت کا ارتکاب کرتے رہتے تھے۔ کشمیر کے بادشاہ (چندر

پیڈ) نے اس سے قبل انہیں شکست دے کر لداخ کا خطہ اُن کے تسلط سے آزاد کرایا تھا۔ تبت کے خلاف اس فتح کی خوشی میں کشمیری عوام چیت کی 2 تاریخ کو ہر سال فتح کا جشن مناتے رہے ہیں۔ اس کا ذکر مشہور عرب مورخ ابوریحان البیرونی نے بھی اپنی مشہور تاریخی کتاب، کتاب الہند میں کیا ہے۔

(2*) تبت کی توسیع پسندی کا زور ہمیشہ کے لئے توڑنے کے خیال سے کشمیر کے بادشاہ مُکتا پیڈ نے اپنا سفیر شہنشاہ چین کے دربار میں بھیجا۔ چین کے تاریخی ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کے بادشاہ نے اپنے سفیر یُو لی (U-Li) کو چینی شہنشاہ ''یُو ین سُن'' (Yuen Tsun) کے دربار میں یہ درخواست لے کر بھیجا کہ ''چین اور کشمیر اپنے مشترکہ دشمن تبت کی سرکوبی کے لئے باہمی تعاون سے کارروائی کریں۔'' مُکتا پیڈ کا چین کے عظیم اور طاقتور شہنشاہ کے ساتھ دوستی کے معاہدے کی تجویز کرنا ایک قدرتی بات تھی کیونکہ تبت کی توسیع پسندی چین کی بادشاہت کے لئے بھی خطرات پیدا کر رہی تھی۔ شہنشاہ چین نے کشمیر کے سفیر یُو لی (U-Li) کا اپنے دربار میں نہایت عزت واحترام اور محبت سے استقبال کیا۔ سفیر موصوف نے شہنشاہ کے سامنے تبت کے خلاف کشمیر کے بادشاہ کی سابقہ فتوحات کی تفصیل بیان کی۔ سفیر نے درخواست کی کہ چین کے شہنشاہ اور کشمیر کے بادشاہ ''مُکتا پیڈ'' کے مابین ایک اتحاد بنایا جائے اور تبت کے خلاف جدوجہد میں چین کشمیر کی مدد کرے۔

(تاریخ بامزئی جلد اوّل۔ صفحہ 125)

پروفیسر لُو شُوئی لین میرپور میں سیمینار سے خطاب کر رہے ہیں۔

باب:4

تجارتی اور فنی روابط

ریاست جموں و کشمیر جسے عرف عام میں ہمیشہ صرف ''کشمیر'' کے نام سے پکارا جاتا ہے، قراقرم، ہندوکش اور ہمالیہ کے سر بہ فلک کوہستانی سلسلوں میں گھری ہوئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود زمانہ قدیم سے ہی ان کوہستانوں میں واقع دروں کے راستے ہمسایہ ممالک سے کشمیر کے رابطے موجود رہے ہیں۔ ان راستوں کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے نامور فارسی شاعر حاجی محمد جان قدسی نے کہا تھا:۔

ازیں رہ چوں تواں آساں گزشتن
کہ گام اوّل است از جاں گزشتن

یعنی ''ان راہوں سے آسانی سے کیسے گزرا جاسکتا ہے کیونکہ یہاں تو پہلے قدم پر ہی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔'' لیکن آخر کار جب درہ پیر پنجال کی صعوبتوں کو برداشت کر کے قدسی، وادی کشمیر میں داخل ہوئے تو اس کی مسحور کن خوبصورتی کو دیکھ کر کہہ اُٹھے:۔

اگر جنت نزہت گاہ کشمیر
ہزاراں جاں فدائے راہ کشمیر

یعنی ''اگر خوشبوؤں میں بسی ہوئی وادی کشمیر یہی ہے تو ہزاروں جانیں اس کی راہوں پر قربان کی جاسکتی ہیں۔''

بہر حال اہل کشمیر اور ان کے پڑوسیوں نے بھی راستوں کی ان صعوبتوں کو

scaned by israr mughal

info secrtary jammu and kashmir liberation front

کبھی خاطر میں نہیں لایا اور قدیم زمانے سے انہی دروں کے ذریعہ آمد و رفت جاری رکھی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان رابطوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہ روابط ان خطوں میں رہنے والے عوام کے درمیان تجارتی، ثقافتی، مذہبی اور سیاسی رشتوں میں ترقی اور استحکام کا سبب بنتے رہے ہیں۔

آثار قدیمہ کی کھدائیوں نے دنیا بھر میں گمنامیوں کے دبیز پردوں میں چھپے ہوئے تاریخ کے حقائق کو منظر عام پر لایا ہے۔ چنانچہ کشمیر اور ترکستان کے کئی مقامات پر آثار قدیمہ کی کھدائی کے بعد یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آئی ہے کہ کشمیر کے ان علاقوں کے ساتھ ماضی بعید میں مختلف النوع تعلقات رہے ہیں۔ سری نگر سے 19 کلومیٹر کے فاصلے پر ہاروَن (Harwan) میں محکمہ آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران ایسی اینٹیں اور ٹائلیں دریافت ہوئی ہیں جن کی منقش اور کندہ تصاویر میں یہاں کے عوام کے لباس اور زیورات میں وسط ایشیا کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام برزہ ہوم (Burza Hom) میں ہاروَن سے زیادہ قدیم زمانے کے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ جن کے مطابق 2300 سال قبل مسیح یعنی آج سے 4500 سال پہلے یہاں آبادی موجود تھی۔ یہ پتھر کے زمانے کا آخری دور تھا۔

(مرغوب بانہالی "ہمارا ادب" صفحہ 160)

1925ء میں ہاروَن کے مقام پر کھدائی کے دوران ایسے آثار دریافت ہوئے ہیں جن پر وسط ایشیا کے ممالک کی اشکال اور لباس منقش ہیں۔

1960ء میں برزہ ہوم کی کھدائی میں کشمیر، چین اور وسط ایشیا کے آخری حجری دور کے آثار کی یکسانیت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ پتھر کے زمانے کے آخری

دور میں ان علاقوں کے عوام میں باہمی میل جول موجود تھا۔

(مرغوب بانہالی "ہمارا ادب" صفحہ 105)

آج سے 450 سال پہلے کے ان انکشافات کی روشنی میں آج کے دور کے دو سیاحوں مارگریٹ اور رالف شیٹلر (Margret & Rolf Shettler) کی کشمیریوں کی شکل و شباہت اور مزاج کے بارے میں رائے پر غور فرمائیے:۔

The population is predominantly Muslim and more relates to Central Asia than India in both appearance and temprament.

"آبادی کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے اور وہ اپنی شکل و شباہت اور مزاج دونوں کے لحاظ سے ہندوستان کی بجائے وسط ایشیا کے زیادہ قریب ہیں۔"

(Margret&Rolf Shettler "Kashmir Ladakh & Zanskhar " Page 35)

اب ہم کشمیر کی بعض ایسی صنعتوں اور دستکاریوں کا اجمالی ذکر کریں گے جو ہمسایہ ممالک چین اور وسطی ایشیا کے ساتھ تجارتی اور ثقافتی ہم آہنگی اور قربت کا سبب بنتی رہی ہیں۔ مرزا حیدر دوغلات اپنی مشہور تصنیف تاریخ رشیدی میں لکھتا ہے کہ کشمیر ایسی عجیب و غریب صنعتوں کا مرکز نظر آتا ہے جو سمرقند و بخارا کے سوا اور شہروں میں کم نظر آتی ہیں۔ ان صنعتوں میں پتھر کو جلا دینا، پتھر تراشنا، بوتل سازی، تابدان تراشی، طلائی برتن بنانا خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان تمام صنعتوں کے قائم کرنے کا سہرا

سلطان زین العابدین کے سر ہے۔ اس نے ان تمام صنعتوں کے ماہرین وسط ایشیا سے بلوائے تھے اور انہیں کشمیر میں آباد کیا تھا۔ تواریخ میں جن کاریگروں اور صنعت کاروں کا ذکر ہے ان میں کاغذ ساز، صحاف، قالین باف، زین ساز، دایہ، قابلہ، حکاک، سنگ تراش، شیشہ گر، زرکوب، اسلحہ ساز، جلدگر، آتش باز اور ماہرین موسیقی شامل ہیں۔ سلطان نے ان میں سے بیشتر کو سرکاری کاموں میں لگا دیا اور جن کو ملازمت نہ مل سکی انہیں کاروبار کرنے کے لئے مالی امداد دی۔

(محمد دین فوق "شباب کشمیر" صفحہ 208-209)

ریشم:

ریشم کا کام کشمیر میں زمانہ قدیم سے ہی رائج تھا۔ بڈشاہ کے دور میں اسے بہت ترقی ملی۔ اس زمانے میں ریشم تیار ہو کر بخارا اور ختن کی منڈیوں میں جاتا تھا۔ ریشم کا بیج (ریشم کے کیڑے) ان ہی شہروں سے منگایا جاتا تھا۔ سر والٹر لارنس کی رائے میں ریشم کے کیڑے پالنے کے لئے کشمیر کی سرزمین نہایت موزوں تھی۔

(ایضاً۔ صفحہ 210)

اہل ختن (Khotan) کشمیر کے ریشم کو مغربی ایشیا اور یورپ تک بھیجا کرتے تھے۔

(ایضاً۔ صفحہ 210)

کاغذ سازی:

کاغذ سازی کا فن چین کی ایجاد ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے 75 سال بعد ایک شخص "لیسج لن" نامی پیدا ہوا۔ جس نے دنیا میں سب سے پہلی بار کاغذ تیار کیا۔

وہ پہلے بانس سے کام لیتا تھا۔ 30 سال بعد اس نے شہتوت کے درخت کے ریشے تیار کئے اور ان سے کاغذ بنایا۔

(ایضاً۔ صفحہ 211)

کشمیر میں کاغذ کی صنعت کا بانی سلطان زین العابدین ہے۔ وہ کشمیری نوجوانوں کو مختلف فنون سکھانے کے لئے وسط ایشیا بھیجتا رہا۔ چنانچہ اس نے کاغذ سازی کا فن سیکھنے کے لئے کچھ لوگوں کو سمرقند بھیجا اور بعد میں انہیں سری نگر کے قریب نوشہرہ میں آباد کیا۔ ان کی نسل اب بھی موجود ہے۔

کشمیر کا کاغذ نفاست اور پائیداری کے لئے بہت مشہور تھا۔ اس پر لکھی ہوئی کتابیں تین تین سو سال تک محفوظ رہتی تھیں۔ پائیداری میں دنیا کا کوئی اور کاغذ کشمیری کاغذ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

(ایضاً۔ صفحہ 211)

بعد میں مشینی کاغذ کی ایجاد کی وجہ سے، جو کہ قیمت میں بہت ارزاں ہوتا تھا، کشمیر کی کاغذ سازی کی صنعت کو زوال آ گیا۔

بھوج پتر۔ (برزہ) (Birch Bark):

بھوج پتر قدرت کا ایک بیش بہا عطیہ ہے۔ اسے کشمیری زبان میں "برزہ" کہتے ہیں۔ بلندیوں پر اگنے والے جنگلات میں ایک درخت اُگتا ہے۔ جس کے تنے پر باہر والی چھال کے اندر کاغذ کی طرح کی تہہ در تہہ چھال ہوتی ہے۔ یہی چھال ہندی زبان میں بھوج پتر اور انگریزی میں (Birch Bark) کہلاتی ہے۔

اس اندرونی تہہ در تہہ چھال کو کاغذ کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ قدیم

زمانے میں جب کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا لکھنے پڑھنے کے لئے بھوج پتر سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ اس کی جلد بندی کر کے باقاعدہ کتابوں کی شکل دی جاتی تھی۔ خط و کتابت کے لئے بھی بھوج پتر کا استعمال کیا جاتا تھا۔

بھوج پتر کا دوسرا استعمال یہ تھا کہ مکانوں کی تعمیر میں چھتوں پر لکڑی کے تختے لگائے جاتے تھے۔ ان تختوں کے اوپر بھوج پتر کی تہہ لگادی جاتی تھی اور اس کے اوپر مٹی کی تہہ جمادی جاتی تھی۔ بھوج پتر بہت عرصے تک مٹی تلے دبا رہنے کے باوجود گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔ بسا اوقات اس قسم کی چھتوں پر پھول بھی اگائے جاتے ہیں۔ اس طرح کی چھتوں والی مسجدیں اور زیارت گاہیں اب بھی کشمیر میں دیکھی جاسکتی ہیں:۔

تواریخ سے ایسے شواہد ملتے ہیں کہ قدیم زمانے میں بھوج پتر گھریلو استعمال کے علاوہ بیرون ممالک، خاص طور پر پڑوس کے وسط ایشیائی ممالک کو برآمد بھی کیا جاتا تھا۔

چینی علوم کے فرانسیسی ماہر ایم پلیوٹ نے (M Pilliot) 1906ء سے 1908ء کے دوران ترکستان کا دورہ کیا اور وہاں تانگ دور حکومت کے تاریخی مسودے دریافت کئے، جو سنسکرت، پالی، پراکرت، اور کشان رسم الخط میں لکھے ہوئے تھے۔ یہ سب دستاویزات بھوج پتر پر تحریر کی گئی تھیں۔ یہ بات بلاشک وشبہ مسلمہ ہے کہ یہ بھوج پتر وہاں کشمیر سے برآمد کیا گیا تھا۔

1890ء میں کرنل بوور (Col. Bower) نے سنکیانگ میں کوچہ کے مقام پر قدیم تاریخی مسودے دریافت کئے جو بھوج پتر پر تحریر شدہ تھے۔

اسی طرح 1904ء میں دو جرمن سیاحوں ڈاکٹر وان لی کاک (Dr. Von-Le-Coq) اور ڈاکٹر گرنڈ ویڈل (Dr. Grund Wedle) نے ترکستان کے شہروں کوچہ، قراشیر اور طرفان (Turfan) میں بھوج پتر پر تحریر شدہ بودھ اور سنسکرت مسودات دریافت کئے۔

(بامزئی "کلچرل اینڈ پولیٹکل ہسٹری آف کشمیر" صفحہ 50)

خوش نویسی کا فن:

بڈشاہ کے دور میں علوم وفنون کی سرپرستی کی وجہ سے علمی ادبی سرگرمیوں میں بہت اضافہ ہوگیا۔ کشمیری نوجوانوں کو بیرونی ممالک میں جاکر مختلف فنون کی تربیت حاصل کرنے کے لئے وظائف اور دیگر مراعات ملنے لگیں۔ ان فنون میں خوش نویسی یعنی کتابت کا فن بھی شامل تھا۔ اس کے بعد خوش نویسی کشمیریوں کا ایک باعزت پیشہ بن گئی۔ یہاں سے عربی اور فارسی کی کتابیں ترکستان کی ریاستوں تک پہنچنے لگیں۔ مختلف عجائب گھروں (Museums) میں بیش قیمت کتابوں کے باتصویر نسخے کشمیری خوش نویسوں کی فنی مہارت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ازبکستان، تاجکستان اور لینن گراڈ کی لائبریریوں میں کشمیری مصوری اور خطاطی کے نادر نمونے، کتابوں کے قلمی نسخے کشمیریوں کے کمال فن کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ اس قسم کی تخلیقات کے لئے وسط ایشیا بہت اچھی مارکیٹ تھی۔ روسی محققین کے مطابق مصوری، خوش نویسی اور خطاطی کا فن کشمیر میں 19ویں صدی میں کمال عروج کو پہنچا۔

☆ امیر بخارا کے کتب خانہ میں "محبوب القلب" کے عنوان سے اخلاق کہانیوں کا ایک مجموعہ موجود تھا جسے برخوردار ابن محمود نے تصنیف کیا تھا۔ اس کی

کتابت ربیع الثانی 1112ھ (1700ء) میں کشمیر میں کی گئی تھی۔

☆"مطلع السعدین" اور "مجمع البحرین" نامی دو قلمی نسخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں نذر محمد فرغانی نے کشمیر میں خریدا تھا۔ ظاہر ہے ان کی کتابت کشمیر میں ہوئی تھی۔

☆انگریز سیاح جے وولف (J Wolff) نے لکھا ہے کہ امیر بخارا کی فرمائش پر اس نے پیغمبر اسلام ﷺ کی مختصر سوانح عمری تحریر کی تو اس مسودے کی بہت سی نقول تیار کی گئیں۔ کچھ نقول ایک کشمیری تاجر نے، جو اس وقت بخارا میں مقیم تھا، خرید کر سری نگر بھیج دیں۔

☆لینن گراڈ کی اکادمی آف سائنسز (Academy of Sciences) اور ازبکستان میں دیوان حافظ، بوستان سعدی اور جامی کی یوسف زلیخا کے ایسے نسخے موجود ہیں جو 18 ویں صدی اور وسط 19 ویں صدی کے دوران کشمیر میں کتابت کئے گئے تھے۔

☆19 ویں صدی کے اواخر تک کشمیر سے وسط ایشیا کو برآمد ہونے والی اشیاء میں کلام پاک کے خوبصورت قلمی نسخے اور نادر کتابوں کے شاہکار نہایت اہم شمار کیے جاتے تھے۔ مثنوی مولینا روم، جو محمود کشمیری خوش نویس نے کتابت کی تھی اب تک تاجک اکیڈمی آف سائنسز دوشنبہ کے اورینٹل سٹڈیز کے ادارے کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اسی لائبریری میں "انتصاب صلح" نامی کتاب کا نسخہ بھی محفوظ ہے جو کہ سید علی ہمدانی کی تحریروں کا مجموعہ ہے اور جس میں والی کشمیر سلطان قطب الدین کے نام شاہ ہمدان کا ایک خط بھی شامل ہے۔

☆تاجکستان کے دارالحکومت دوشنبہ کی فردوسی لائبریری میں بھی کشمیر میں کتابت کئے گئے بعض نادر مسودے موجود ہیں جن میں دیوان غنی کشمیری، دیوان اسماعیل کشمیری، قرآن شریف کا فارسی تفسیر والا ایک نسخہ اور سید علی ہمدانی کی تصنیف "ذخیرۃ الملوک" کا ایک نسخہ، جسے ایک کشمیری خطاط نے 877 ہجری (1472ء) میں کتابت کیا تھا، شامل ہیں۔ کشمیر کے نامور قومی شاعر غنی کشمیری کے دیوان کو تاجک رسم الخط میں تاجکستان میں شائع کیا گیا۔

فارسی زبان کی کلاسیکل داستانیں شیریں فرہاد، یوسف زلیخا، لیلیٰ مجنوں، سہراب و رستم، اور شاہنامہ فردوسی کشمیری زبان میں ترجمہ ہو کر شہر شہر قریہ قریہ زبان زد عام ہو چکی ہیں۔

پیپر ماشی۔ (Papier Mache):

یہ ہنر وسط ایشیا کے شہروں کاشغر اور سمرقند سے سری نگر پہنچا۔ کشمیر میں یہ فن صرف سری نگر اور آس پاس کے علاقوں تک محدود ہے۔ اسے "کارِ قلمدانی" کا نام بھی دیا گیا ہے۔ ردی کاغذ، پھٹے پرانے کپڑے، لکڑی کا گودا اور کاپر سلفیٹ پانی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے کوٹ کوٹ کر ایک گاڑھا مواد Paste تیار کیا جاتا ہے۔ اس پیسٹ کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر ڈبے، قلمدان، سگریٹ کیس، سگار بکس، جیولری بکس، گل دان، ٹیبل لیمپ اور مختلف قسم کے ڈیکوریشن پیس (Decoration Piece) بنائے جاتے ہیں پھر ان پر ہاتھ سے گل بوٹے بنائے جاتے ہیں اور زیادہ تر بیرونی ممالک کو برآمد کئے جاتے ہیں۔ وسط ایشیا کی ریاستوں کے ساتھ (Barter System) یعنی مال کے بدلے مال کے اصول پر پیپر ماشی کا

سامان برآمد کیا جاتا ہے۔ جہاں سے یہ مختلف مغربی ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔

نمدہ سازی:

نمدہ سازی کی صنعت یارقند سے کشمیر پہنچی ہے۔ ابتداء میں یارقند سے سادہ نمدے منگوا کر سری نگر میں ان پر اونی دھاگے سے گل بوٹے بنا کر بیرونی ممالک کو برآمد کئے جاتے تھے۔ یارقند سے تجارتی قافلے ختن اور لداخ کے راستے سری نگر پہنچتے تھے۔ سری نگر کے محلہ عالی کدل میں یارقند کے تجارتی قافلوں کی رہائش کے لئے ایک سرائے تعمیر کی گئی تھی جو سرائے یارقند کہلاتی تھی۔

بعد میں سری نگر میں بھی نمدہ سازی کی صنعت قائم ہوگئی۔ لیکن ان نمدوں کی کوالٹی یارقندی نمدوں سے کم تر ہوتی تھی۔ یارقند کے نمدے خالصتاً اون کے بنے ہوتے تھے جبکہ کشمیر میں بنے ہوئے نمدوں میں اون کی دو تہوں کے درمیان روئی کی ایک تہہ لگائی جاتی تھی۔ نمدے فرش پر بچھانے کے علاوہ آرائش کے لئے (Wall Hanging) کے طور بھی استعمال ہوتے ہیں اس کے علاوہ ان سے گھوڑوں کے زین کی گدی، گلشن، ٹی کوزی اور جائے نماز وغیرہ بھی بنائے جاتے ہیں۔

قالین بافی:

اس فن کا تعلق بھی بنیادی طور پر وسط ایشیا سے ہے۔ سلطان زین العابدین بڈشاہ کے دور حکومت میں یہ فن سمرقند سے کشمیر پہنچا۔ یہاں کے دست کاروں نے اسے اتنی ترقی دی کہ ساری دنیا میں مشہور ہوگئے۔

کشمیر کی قالین بافی کے بارے میں مرزا حیدر دوغلات نے ایک واقعہ اپنی

تاریخ "تاریخ رشیدی" میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مغلوں کے دور میں ایک کشمیری قالین باف "آخون رہنما" وسط ایشیا کے راستے حج بیت اللہ کو گیا واپسی پر وہ ایران کے شہر اندجان میں رک گیا۔ اندجان قالین بافی کا اہم مرکز تھا۔ آخون رہنما نے وہاں قالین بافی کے ہنر میں مزید مہارت حاصل کی۔ واپسی پر وہ قالین بافی کے ایرانی اوزار بھی ساتھ لایا۔ یہاں پہنچنے پر اس نے قالین بافی کو ایک نئی جہت عطا کی۔

سکھوں کے دور میں قالین بافی کے تین استاد بہت مشہور ہوئے ہیں۔ ان کے نام "فضل جان"، "جبار خان" اور "کمال جو" تھے۔ قالین پر کشمیر کے موسم بہار کی منظر کشی کرنے پر رنجیت سنگھ نے انہیں سونے کا ہار انعام میں دیا تھا۔

ازدبیل مسجد کا قالین کشمیری کاریگروں نے تیار کیا تھا جو 34 فٹ لمبا اور ساڑھے سترہ فٹ چوڑا تھا۔ اس کی تیاری قالین بافی کی صنعت میں ایک ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسے بعد میں وکٹوریہ البرٹ میوزیم کے لئے دو ہزار پونڈ میں خریدا گیا تھا۔

وادی کشمیر میں اس وقت سرکاری اور غیر سرکاری شعبے میں قالین بافی کے کئی کارخانے قائم ہیں۔ جن سے ہر سال کروڑوں روپے کا زرمبادلہ کمایا جارہا ہے۔

شال بافی:

شال بافی کشمیر کی ایک قدیم گھریلو صنعت ہے۔ جو کہ ملک کے طول وعرض میں ہزاروں لوگوں کے روزگار کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ ان میں لداخ کے خطے میں وہ بکریاں پالنے والے لوگ بھی شامل ہیں جن کی پشم سے شالیں تیار کی جاتی ہیں۔ یہ خاص قسم کی بکری صرف لداخ میں پائی جاتی ہے۔ اس کے جسم پر دو قسم کے روئیں پیدا

ہوتے ہیں اوپری سطح پر عام بکریوں کی طرح موٹے اور لمبے بال ہوتے ہیں جبکہ ان کے نیچے جسم کے ساتھ نہایت باریک اور ملائم قسم کی اُون پیدا ہوتی ہے جو پشم کہلاتی ہے۔ اسی سے پشمینہ تیار ہوتا ہے۔ جو آخر کار مختلف قسم کی شالیں بنانے کے کام آتا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پشم پیدا کرنے والی یہ بکریاں صرف تبت اور لداخ میں پائی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے پشمینہ کی پیداوار میں کشمیر کو ساری دنیا میں ایک اجارہ داری (Monopoly) حاصل ہے۔

ایک بار دنیا کی دو بڑی طاقتوں برطانیہ اور روس نے پشمینہ پیدا کرنے والی بکریوں کی پرورش اور افزائش کی کوشش کی تھی۔ اس مقصد کے لئے لداخ سے ایسی بکریاں حاصل کی گئی تھیں۔ لیکن دونوں کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوسکا۔ شاید بکریوں کو ان ملکوں کی آب وہوا راس نہ آئی۔

شال ترک زبان کا لفظ ہے ترکستان کے مختلف علاقوں میں ایک مخصوص چادر کا نام شال یا شالی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شال بافی کا آغاز ترکستان سے ہوا اور رفتہ رفتہ دوسرے ممالک میں پھیل گیا۔ لیکن کشمیر آکر اسے پشمینہ جیسی نایاب دولت خام مال کی شکل میں میسر آگئی۔ جس کی وجہ سے دنیا بھر میں اسے منفرد مقام حاصل ہوگیا۔

کشمیر میں شال بافی کی صنعت کا آغاز چودھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ میر سید علی ہمدانی 1380ء میں تیمور سے کسی اختلاف کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑ کر کشمیر آنے پر مجبور ہوگئے۔ آتے وقت شاہ ہمدان اپنے ہمراہ 700 عالموں، فاضلوں مختلف فنون کے ماہروں اور ہنرمندوں کو لے آئے اور انہیں کشمیر میں آباد کیا۔ ان ہنرمندوں میں

شال باف بھی شامل تھے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کشمیر میں شال بافی کی صنعت ترقی کرتی چلی گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کی گھریلو صنعت اور بیرونی تجارت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ تاریخی شواہد کے مطابق افغان تسلط کے دور میں حکومت کو شال بافی سے سالانہ دس لاکھ کا محصول وصول ہوتا تھا۔ اُس وقت کے دس لاکھ آج کے دو ارب روپے کے برابر ہوتے ہیں۔

وسطی ایشیا کی تمام ریاستوں کے علاوہ شالوں کی کھپت روس، برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک میں بڑھتی چلی گئی اور وسط ایشیا ان ممالک کے لئے شالوں کی مارکیٹ بن گیا۔

وسطی ایشیا کے ممالک کے راستے سے شالوں کی بڑھتی ہوئی تجارت کا یہ نتیجہ ہوا کہ سری نگر، لیہہ، یارقند، کاشغر روٹ پر آمدورفت میں بہت اضافہ ہوگیا۔ اس طرح ان خطوں کے عوام میں قریبی تعلقات استوار ہوتے چلے گئے اور یوں باہمی ثقافتی اور تہذیبی رابطے مضبوط ہوتے چلے گئے۔

شالوں کی تجارت کشمیر اور وسط ایشیا کے درمیان منافع بخش کاروبار ہونے کے علاوہ سماجی طور پر قربت کا سبب بنتی رہی ہے۔ ترکستان کی ریاستیں کشمیری شال کی تجارت کا اہم مرکز بن گئی ہیں اور یہاں سے یہ شالیں روس، قسطنطنیہ اور یورپی ممالک کو جاتی رہی ہیں۔

گزشتہ نصف صدی کے دوران نامسعود سیاسی حالات کی وجہ سے شالوں کی تجارت کو خاصا دھچکا لگا ہے۔ اور عوام کے میل جول میں بھی رکاوٹیں پیدا ہوگئی ہیں۔

تاہم امید کی جا رہی ہے کہ مسئلہ کشمیر، کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق حل ہونے پر جموں کشمیر کو آزادی حاصل ہو جائے گی۔ اور عوامی جمہوریہ چین اور دیگر ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ کشمیر کے قدیم تاریخی تعلقات نئے سرے سے استوار ہو جائیں گے جس سے اس سارے خطے میں خوش حالی کا نیا دور شروع ہوگا اور باہمی دوستی اور بھائی چارے کے رشتے مضبوط ہو جائیں گے۔

سونا۔ چاندی اور طلاء:

سونے چاندی کی ڈلیاں، سکّے اور سفوف کی شکل میں چینی ترکستان یعنی سنکیانگ سے کشمیر درآمد کرنے کی روایت بہت قدیم رہی ہے۔ اس کی کئی وجوہات تھیں ایک وجہ یہ تھی کہ کشمیر سے جو پشمینہ وغیرہ ترکستان برآمد کیا جاتا تھا اس کے بدلے مال کی درآمد کم تھی۔ اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے تاجر لوگ سونا چاندی استعمال کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ یارقند اور لیہہ کے درمیان سفر انتہائی دشوار اور صبر آزما تھا۔ اسی لئے تاجر اور مسافر اپنی سہولت کی خاطر کم سے کم وزن کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ ترکستان سے حاجیوں کی بڑی تعداد حج بیت اللہ کے لئے لداخ اور کشمیر کے راستے دیارِ حرم کا سفر کرتی تھی ان کے لئے زادِ راہ سونے اور چاندی کی شکل میں ساتھ رکھنا آسان تھا۔

("سنٹرل ایشیا اینڈ کشمیر" کے وارکو۔ صفحہ 77)

روس میں بالشویک انقلاب کے بعد جب ترکستانی ریاستیں سوویت یونین کا حصہ بن گئیں تو کشمیر کے ساتھ انکی تجارت کا خاتمہ ہو گیا۔ تاہم چینی ترکستان (سنکیانگ) کے ساتھ یہ تجارتی سلسلہ جاری رہا۔

متفرق اشیاء:

کشمیر میں روس کے بنے ہوئے سوتی کپڑوں کی تجارت صدیوں سے جاری رہی۔ لیکن یہ تجارت براہ راست نہیں ہوتی تھی۔ اس کے لئے چینی ترکستان کا شہر یارقند ایک مشترکہ مارکیٹ کا کام دیتا تھا۔ کشمیر سے پشمینہ کی شالیں یارقند جاتی تھیں اور وہاں سے روس کا بنا ہوا سوتی کپڑا کشمیر میں درآمد ہوتا تھا۔ روس کا سوتی کپڑا لداخ اور کشمیر میں بہت مقبول رہا ہے۔ روس کی مصنوعات میں زین، ڈبل زین، چھینٹ، مارکین، لٹھا اور شیطان تیر ارزاں اور مضبوط ہونے کی وجہ سے بہت پسند کیا جاتا تھا۔ مُور کرافٹ (Moor Craft) نے 1820ء میں لداخ میں اپنی موجودگی کے دوران اس بات کا ذکر کیا ہے کہ یارقند سے سوتی کپڑا لداخ میں درآمد کیا جاتا ہے۔ برطانوی کمشنر ایچی سن (Aitchison) نے بھی 1872ء میں اپنی رپورٹ میں اس کی تصدیق کی تھی کہ روس کا بنا ہوا سوتی کپڑا بڑی مقدار میں یارقند سے لداخ پہنچتا ہے اور یہاں سے اسے سری نگر لیجایا جاتا ہے۔

("سنٹرل ایشیا اینڈ کشمیر" کے وارکو۔ صفحہ 70)

چینی ترکستان سے کشمیر میں قیمتی پتھر (جواہرات) نافہ (کستوری) اور ایک خاص قسم کی چائے جو کشمیر میں اصل چائے کہلاتی تھی، کشمیر میں درآمد ہوتی تھی۔ اس کی تصدیق پروفیسر ژوئی لین نے میرپور کے سیمینار میں اپنے خطاب میں کی۔

اسی طرح روس سے ترکستان کے راستے چرمی سامان کشمیر پہنچتا تھا، جس میں جوتے، پیٹیاں (Belts)، فرکوٹ، چرمی کوٹ، پوستین وغیرہ شامل تھے۔

(ایضاً۔ صفحہ 75)

باب: 5

فروغ اسلام میں اشتراک

گزشتہ صفحات میں کشمیر میں بدھ مت کے آغاز اور پھیلاؤ کا تفصیل سے ذکر آچکا ہے۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ 400 سے 340 قبل مسیح کے دوران رشی مدھیانکا (Madhiantika) کشمیر آئے اور بدھ مت کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں کشمیر ہندوستان کی جگہ بدھ مت کا مرکز بن گیا اور یہاں سے مشرق ومغرب میں بدھ مت کی تبلیغ کا کام زور وشور سے ہوتا رہا۔ نیلہ مت پران کے مطابق بدھ مت کو ایک کشمیری عالم "ناگ ارجن" کے ہاتھوں بہت ترقی نصیب ہوئی۔ پرانے رسم و رواج ختم ہوگئے، ذات پات کی تمیز مٹ گئی اور نئے خیالات ابھرنے لگے۔ کشمیر میں بدھ مت کا عروج 12 ویں صدی عیسوی تک رہا۔ اس دوران بدھ مت کشمیر سے باہر وسط ایشیا کی ریاستوں کے علاوہ چین کے طول وعرض میں پھیل چکا تھا۔ چنانچہ ان تمام علاقوں کے لوگ مذہبی لحاظ سے ایک رشتے میں بندھ گئے۔

بعد میں یہی عمل چودھویں صدی عیسوی میں ایک بار پھر دہرایا گیا، جب وسط ایشیا کی ریاستوں سے مبلغین اسلام نے کشمیر کی طرف توجہ دی۔ بدھ مت کو زوال آچکا تھا اور برہمن ازم کے عروج کی وجہ سے عوام الناس ذات پات کی دلدل میں پھنس چکے تھے۔ تب مغرب کی طرف سے روشنی کی ایک کرن نمودار ہوئی۔ 1320ء میں سید شرف الدین بلبل شاہ وسط ایشیا سے کشمیر میں وارد ہوئے۔ یہ پہلے مسلمان مبلغ تھے جنہوں نے کشمیر کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اس دور میں کشمیر پر ایک لداخی شہزادہ

scaned by israr mughal

info secrtary jammu and kashmir liberation front

ریچن شاہ کی حکمرانی تھی۔ بلبل شاہ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر ریچن شاہ نے اسلام قبول کر لیا اور سلطان صدر الدین کا لقب اختیار کیا۔ اس طرح حضرت شرف الدین کی کوشش سے اسلام قبول کرنے والا پہلا کشمیری خود بادشاہ تھا۔

ریچن شاہ کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں ایک نہایت دل چسپ روایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک روز بادشاہ اپنے محل کی بالکونی سے باہر کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص دریا کے کنارے کھڑا ہے۔ کبھی گھٹنوں پر جھکتا ہے۔ کبھی زمین پر سجدے میں چلا جاتا ہے اور پھر کھڑا ہو کر یہی عمل دہرا رہا ہے۔ بادشاہ نے کسی ملازم کو بھیج کر بلبل شاہ کو اندر بلوالیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا تھا؟ بلبل شاہ نے جواب دیا کہ "میں عبادت کر رہا تھا"۔ بادشاہ نے کہا "وہاں تو تمہارے سامنے کچھ نہیں تھا تم کس کی عبادت کر رہے تھے"۔ بلبل شاہ نے جواب دیا کہ "میں اس خدا کی عبادت کر رہا تھا جو ہر جگہ موجود ہے۔ ریچن شاہ متجسس طبیعت کا مالک تھا۔ وہ مختلف مذاہب کے بارے میں اکثر پنڈتوں، بھکشوؤں سے سوال و جواب کرتا رہتا تھا اس کی تسلی نہیں ہوتی تھی۔ بلبل شاہ کی باتیں اس کے دل پر اثر کر گئیں اور انجام کار اس نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت بلبل شاہ کا تین سال بعد انتقال ہو گیا اور وہ سری نگر میں دریائے جہلم کے کنارے مدفون ہوئے۔

760 ہجری (1355 عیسوی) میں دو اور مبلغ سید تاج الدین سمنانی اور سید حسین سمنانی تبلیغ اسلام کے لئے کشمیر آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان کے مقبرے وادی کے شہر کولگام میں ہیں۔

ان کے بعد سید علی ہمدانی (المعروف شاہ ہمدان) تین بار کشمیر آئے۔ پہلی

بار وہ 1372ء میں 60 سال کی عمر میں 700 علماء اور مختلف فنون اور دستکاریوں کے ماہرین کے ساتھ کشمیر آئے۔ 1381ء حضرت شاہ ہمدان دوسری بار تشریف لائے اور اڑھائی سال یہاں قیام کرنے کے بعد لداخ کے راستے یارقند چلے گئے۔ ڈیڑھ سال تک وہاں تبلیغ کرنے کے بعد وہ نالہ برالدو اور شگر کے راستے بلتستان واپس آئے۔ تیسری بار وہ 1383ء میں کشمیر آئے اور پھر اپنے انتقال تک یہیں رہے۔ 19 جنوری 1385ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی میت کو تاجکستان کے شہر ختلان لے جا کر سپرد خاک کیا گیا۔

حضرت شاہ ہمدان کی آمد سے قبل کشمیری قوم غربت، جہالت، ذات پات کی لعنت اور استحصال کا شکار تھی۔ انہوں نے کشمیریوں کو جہالت، توہم پرستی اور ذات پات کی غیر مساویانہ معاشرت سے نجات دلائی۔ وہ اتحاد انسانیت کے زبردست علمبردار تھے۔ انہوں نے ایک ایسی سول سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس میں عوام کو امن و امان، انسانی بھائی چارے اور خدمت خلق کے اوصاف سے روشناس کرایا۔ انہوں نے اپنا مشن تبلیغ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ سماجی، اصلاحی اور اقتصادی خوشحالی کے لئے عملی اقدامات کئے جس کے نتیجے میں عوام الناس کی معاشی حالت میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ شاہ ہمدان اپنے ساتھ وسط ایشیا کے مختلف علاقوں سے ماہر کاریگروں، فن کاروں اور دست کاروں کی بڑی تعداد لے کر آئے تھے۔ جس کے نتیجے میں یہاں پشمینہ سازی، قالین بافی، شال بافی، پیپر ماشی، جالک روزی، سوزن کاری، جلد سازی، کاغذ سازی، چاندی اور تانبے کی ظروف سازی اور

ڈ کا رونگ (Wood Carving) کے فنون کو عروج ملا۔ علامہ اقبال نے شاہ ہمدان کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے:۔

مرشدِ آں کشور مینو نظیر
میر و درویش و سلاطیں را مشیر
خطہ را آں شاہ دریا آستیں
داد علم و صنعت و تہذیب و دیں

یعنی مملکت جنت نظیر کشمیر کے اس دریا دل مرشد نے، جن کی رہنمائی امیروں، غریبوں اور بادشاہوں کے لئے یکساں میسر تھی، خطہ کشمیر کو علم و فضل، صنعت و حرفت، تہذیب و تمدن اور دین کی نعمتوں سے نوازا۔

شاہ ہمدان کی تبلیغ سے اس دور میں 37000 کشمیری مشرف بہ اسلام ہوئے، یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ نامور کشمیری مورخ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے اپنی بلند پایہ تصنیف "ہسٹری آف سٹرگل فار فریڈم ان کشمیر" میں لکھا ہے:۔

"Conversions, therefore took place by thousands. And before long the majority of people became Muslims by faith. It was Islam that revitalised the dead spirit of Kashmir (Bezaz-Page 50)

(ترجمہ: ہزاروں کی تعداد میں لوگ اپنا مذہب تبدیل کرنے لگے۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں عوام کی اکثریت اسلام قبول کر چکی تھی۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے کشمیر کی مردہ روح کو حیات نو بخشی)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجودہ سرزمین پاکستان میں اسلام کا آغاز 97 ہجری (711 عیسوی) میں ہو گیا تھا جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کر کے یہاں

عربوں کی حکومت قائم کی تھی۔ آنے والی صدیوں میں اسلام ہندوستان کے طول و عرض میں پھیل گیا یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے مسلمان خاندانوں کی حکومتیں حکمرانی کرتی رہیں جن میں عرب، غزنوی، خلجی، غوری، غلاماں، تغلق، لودھی، درانی اور مغل شامل ہیں۔ لیکن پورے چھ سو سال تک ان میں سے کسی کو کشمیر تک اسلام کا پیغام پہنچانے کا خیال تک نہ آیا۔ 14 ویں صدی عیسوی میں کشمیر میں اسلام کی روشنی آئی بھی تو شمال اور مغرب میں وسط ایشیا کی ریاستوں کی طرف سے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ 14 ویں صدی عیسوی میں وسط ایشیا سے تعلق رکھنے والے علماء اور مبلغین کی کوششوں سے کشمیر میں اسلام پھیلا اور اسی طرح کشمیر اور وسط ایشیا کی ریاستیں، جن میں ڈیڑھ کروڑ آبادی والا چینی ترکستان (سنکیانگ) بھی شامل ہے ایک نئے دینی رشتے میں پیوست ہو گئے۔ یاد رہے کہ ڈیڑھ کروڑ کی آبادی والے سنکیانگ میں 75 فیصد ترک نسل کے مسلمان ہیں جس طرح 3 سو سال قبل بدھ مت کے کشمیر میں عروج کے زمانے میں کشمیر، چین اور وسط ایشیا کی ریاستوں کے عوام ایک نئے مذہبی رشتے میں منسلک ہو کر ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے اسی طرح کشمیر اب دین اسلام کے حوالہ سے ان تمام علاقوں کے ساتھ نئے سماجی، تجارتی، تہذیبی، علمی اور ادبی رشتوں میں منسلک ہو گیا۔

باب: 6

غلامی کے 260 سال

16 ویں صدی کے اواخر میں کشمیر غیر ملکی جارحیت کا شکار ہو کر اپنی آزاد حیثیت کھو بیٹھا۔ 1586ء میں دہلی کے شہنشاہ اکبر اعظم نے مرزا قاسم میر بحر کو 40 ہزار سوار اور 20 ہزار پیادہ دستوں کو کشمیر کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ اس حملہ کی دعوت خود کشمیری لیڈروں نے دی تھی اس لئے مغلوں کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا اور کشمیر فتح ہو گیا۔

(محمد دین فوق "مکمل تاریخ کشمیر" صفحہ 487)

کشمیر پر اپنا اقتدار قائم کرتے ہی مغلوں نے کشمیریوں کو غیر مسلح کر دیا اور مقامی فوج میں ان کی بھرتی پر پابندی لگا دی۔ ایک اور فرمان کے تحت کشمیریوں کو زمین کے حقوق ملکیت سے محروم کر دیا گیا۔

(ولیم بیکر "وادی مسرت وادی موت" صفحہ 16)

مغل 167 سال کشمیر پر قابض رہے۔ 18 ویں صدی کے وسط میں جب اپنی اندرونی کمزوریوں کی وجہ سے کشمیر پر ان کی حکمرانی کی چولیں ڈھیلی پڑ گئیں تو احمد شاہ ابدالی والی افغانستان نے عبداللہ خان ایشک اقاصی کے زیر کمان ایک لشکر جرار بھیج کر 1753ء میں کشمیر پر قبضہ کر کے یہاں افغان حکومت کی بنیاد رکھی۔

(محمد دین فوق "مکمل تاریخ کشمیر" صفحہ 628)

افغان 66 سال تک کشمیر پر حکمران رہے۔ لاہور کا راجہ رنجیت سنگھ عرصے سے کشمیر پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ 1819ء میں اس نے دوسری بار کشمیر پر فوج کشی کی

scaned by israr mughal

info secrtary jammu and kashmir liberation front

اور افغانوں کو شکست دے کر کشمیر کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ سکھوں کی حکومت 27 سال قائم رہی۔ اس دوران انہوں نے افغانوں کی طرح کشمیری عوام پر ظلم کے پہاڑ توڑے۔ مؤرخ محمد دین فوق نے ان مظالم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

''افغانوں کی حکومت اگر تلخ گھونٹ تھی تو خالصہ بہادر زہر میں بجھے ہوئے تیر نکلے۔''

(محمد دین فوق: مکمل تاریخ کشمیر، صفحہ 704)

1846ء میں لاہور کی سکھ افواج نے انگریزوں سے جنگ میں شکست کھائی۔ انگریزوں نے ان پر بھاری تاوان جنگ عائد کر دیا۔ سکھوں کے پاس نقد رقم نہ تھی۔ سو اس نے کشمیر کی پوری ریاست تاوان جنگ میں انگریزوں کو پیش کر دی۔ انگریزوں کو بھی اس وقت نقد رقم کی زیادہ ضرورت تھی، سو انہوں نے اس ریاست پر حکمرانی کا حق اور اختیار 1846ء کے معاہدہ امرتسر کے تحت جموں کے راجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ 75 لاکھ روپے میں فروخت کر دیا۔ اس طرح کشمیر غیر ملکی غلامی سے نکل کر ایک ملکی جاگیردار کی شخصی اور مطلق العنان حکمرانی میں آ گیا۔

اس طرح کشمیر 260 سال تک مغلوں، افغانوں اور سکھوں کی غلامی میں جکڑا رہا۔ اس تمام عرصے میں بحیثیت ایک مملکت تمام پڑوسی ممالک سے، جن میں چین بھی شامل تھا کشمیر کے تعلقات منقطع رہے۔

تاہم کشمیر میں ڈوگرہ خاندان کی حکومت آنے کے بعد صورتحال میں پھر تبدیلی آئی۔ چینی ترکستان کے علاوہ وسط ایشیا کے دوسرے علاقوں سے روابط استوار ہونے شروع ہو گئے۔ اسکا مختصر احوال اگلے صفحات میں پیش ہے۔

باب: 7

19ویں صدی کا کشمیر اور سنکیانگ

19ویں صدی میں زار روس کی حکومت نے جنوب کی جانب وسط ایشیا کی ریاستوں کو اپنے زیر اثر لانے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ 1824ء میں قازقستان، 1831ء میں آذربائجان، 1861ء میں تاشقند، 1868ء میں بخارا اور 1873ء میں خیوا کو تسخیر کر کے روس میں شامل کر لیا گیا۔ 1895ء میں زار روس کی فوجیں پامیر کی سطح مرتفع تک پہنچ گئیں۔

(ورلڈ المانک 1995ء)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زار روس کی نظریں چینی ترکستان (سنکیانگ) پر بھی لگی ہوئی تھیں۔ چنانچہ 1882ء میں روسی حکام نے مہاراجہ رنبیر سنگھ والئی کشمیر سے اس مہم میں مدد کی درخواست کی۔ رنبیر سنگھ نے نہایت ہوشیاری سے اس سلسلے میں کسی مدد کے معاملے کو ٹال دیا۔ اس نے لکھا:

''ہمارے ہاں ایک ضرب المثل ہے ''آب نہ دیدہ موزہ کشیدہ''
یعنی پانی دیکھا نہیں اور موزے اتارنے لگے۔ ابھی آپ نے چین کی جانب ایک قدم نہیں بڑھایا اور مجھ سے مدد کے طلب گار ہوئے۔''

(''سنٹرل ایشیا اینڈ کشمیر'' جلد اول صفحہ 30)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ڈوگرا خاندان کی حکمرانی اگرچہ ایک غیر جمہوری مطلق العنان حکمرانی (Autocracy) تھی، تاہم چونکہ وہ غیر ملکی نہیں تھے بلکہ اسی

سرزمین کے رہنے والے تھے۔ یعنی (Sons of the Soil) تھے، اس لئے انہیں اس ملک کی سالمیت اور ہمسایہ ممالک کے ساتھ صحت مند تعلقات بڑھانے سے خاصی دلچسپی تھی۔ روسی اور برطانوی سامراج کے توسیع پسندانہ عزائم سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ چنانچہ گلاب سنگھ کی حکومت کشمیر اور لداخ کے راستے انگریزوں کے وسط ایشیائی ریاستوں کے ساتھ تعلقات بڑھانے کی کوششوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کے برعکس کشمیر کی ڈوگرا حکومت وسط ایشیا کی ریاستوں سے براہ راست تجارتی اور سیاسی تعلقات قائم کرنے کی خواہشمند تھی۔ حسب ذیل واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے:۔

اگست 1854ء میں والی خوقند خدایار خان نے اپنے ایک سفیر شہزادہ سلطان محمد خان کو برطانوی حکومت سے رابطے کے لئے پشاور بھیجا۔ سلطان محمد خان نے پشاور سے واپسی پر ہزارہ، کشمیر، لداخ اور یارقند کا راستہ اختیار کیا کیونکہ یہ راستہ شورش اور ڈاکہ زنی سے محفوظ تھا۔

سلطان محمد خان 10 ستمبر 1857ء کو سری نگر پہنچا تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے والی خوقند کے ساتھ براہ راست تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سلطان محمد خان کو 500 سو روپے نقد بطور عطیہ اور کشمیر میں اس کے قیام کے دوران میں روپے یومیہ الاؤنس مقرر کیا۔

انگریزوں نے ایک تجربہ کار سرویئر (Surveyer) بابو شجاع کو سلطان محمد خان کے ساتھ لگا دیا تھا۔ تا کہ وہ کشمیر سے خوقند تک کے راستوں کا جائزہ لے سکے۔ لیکن گلاب سنگھ نے کسی نہ کسی بہانے سے بابو شجاع کو سلطان محمد خان سے الگ کر دیا

اور آگے جانے سے روک دیا۔

اگست 1856ء میں شہزادہ محمد خان نے خوقند سے پشاور کے انگریز کمشنر کے نام بھیجے گئے ایک خط میں لکھا کہ گلاب سنگھ کے بیٹے رنبیر سنگھ نے بابو شجاع کو خوقند نہ جانے پر آمادہ کر لیا تھا تا کہ انگریزوں کو لداخ اور ترکستان کے راستوں سے بے خبر رکھا جا سکے۔

("سنٹرل ایشیا اینڈ کشمیر" صفحہ 14/15)

مہاراجہ رنبیر سنگھ کی یہ کوشش بعد میں بھی جاری رہی۔ 1865ء میں کابل سے انگریزوں کو اطلاع ملی کہ تین کشمیری سفارت کار فقیروں کے بھیس میں وسط ایشیا کو روانگی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

(ایضاً۔ صفحہ 27)

اس سلسلہ میں مہتہ شیر سنگھ کا واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اکتوبر 1867ء میں لداخ میں مقیم ایک برطانوی آفیسر ڈاکٹر کیلے (Cayley) نے رپورٹ دی کہ رنبیر سنگھ کی حکومت کا ایک خفیہ ایجنٹ شیر سنگھ دو سال بعد یارقند سے لداخ واپس پہنچ گیا ہے۔ شیر سنگھ نے یہ سفر ایک مسلمان فقیر کے روپ میں کیا تھا اور خوقند میں روسی گورنر سے ملاقات بھی کی تھی۔

مہتہ شیر سنگھ سری نگر سے 28 جولائی 1866ء کو براستہ مظفر آباد اور پشاور وغیرہ روانہ ہوا تھا۔ اس نے کل 16 ماہ وسط ایشیا میں گزارے اور واپسی پر کاشغر، یارقند اور لیہہ کے راستے 24 اکتوبر 1867ء کو سری نگر پہنچا۔

اس کی مکمل رپورٹ "سفر نامہ مہتہ شیر سنگھ" کے نام سے شائع ہوئی جو

ریسرچ لائبریری سری نگر میں محفوظ ہے۔ اپنی رپورٹ میں شیر سنگھ نے وسط ایشیا میں تعینات فوجی دستوں ان کے اسلحہ اور گولہ بارود اور ان کی قلعہ بندیوں کی تفصیل مہیا کی۔ اس نے قلعہ تاشقند کا نقشہ بنا کر اپنی رپورٹ میں شامل کیا۔

(ایضاً۔ صفحہ 22)

رنبیر سنگھ کے دور حکومت میں کئی کشمیریوں نے سمرقند اور کتا کرغان میں سکونت اختیار کرلی اور اپنے ملک کے لئے کام کرتے رہے۔ جموں کا نارائن داس کتا کرغان میں پانچ سال مقیم رہا۔ بھگوان داس ڈوگرہ کتا کرغان اور سمرقند کے درمیان "داول" نامی جگہ پر ایک سرائے کا مالک تھا۔ من سکھ نامی ایک اور کشمیری کتا کرغان میں 12 سال مقیم رہا۔ وہ ازبک اور روسی دونوں زبانیں جانتا تھا۔ 1870ء میں رنبیر سنگھ نے اپنا ایک ایلچی گنگا رام ترکستان بھیجا۔ گنگا رام چند سال وہاں مقیم رہا اور روسی زبان سیکھتا رہا۔ 1877ء میں وہ واپس جموں آیا۔ جہاں اسے تحصیلدار کے عہدے پر متعین کیا گیا۔

(ایضاً۔ صفحہ 110-111)

باب: 8

20 ویں صدی اور بیداری کی لہر

بیسویں صدی کے آغاز سے ہی دنیا بھر میں سیاسی صورتحال میں تبدیلیاں آنی شروع ہو گئی تھیں۔ برصغیر ہند میں انڈین نیشنل کانگرس کا قیام 19 ویں صدی کے اواخر میں ہی ہو گیا تھا 1906ء میں ڈھاکہ کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام بھی عمل میں آیا۔ یہ دونوں جماعتیں زور و شور سے آزادی کی تحریک چلا رہی تھیں۔ قدرتی طور پر ان حالات کا اثر ریاست جموں و کشمیر پر ظاہر ہونے لگا۔

کشمیر میں سیاسی سرگرمیوں کا آغاز 1920ء میں ہو گیا تھا۔ تاہم منظم سیاسی جدوجہد اس وقت شروع ہوئی جب 1931ء میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ ابتداء میں کشمیریوں کی سیاسی جدوجہد کا نصب العین "ذمہ دار نظام حکومت" کا حصول تھا۔ ہندوستان میں دیسی ریاستوں کی کل تعداد 564 تھی ان میں سے جموں و کشمیر پہلی ریاست تھی جس نے اپنی سیاسی تحریک کے آغاز سے دو سال کے اندر اندر 1934ء میں قانون ساز اسمبلی کے قیام کی منزل حاصل کر لی۔ 1934ء میں اس کے پہلے انتخابات ہوئے۔ 1946ء تک اس کے کئی انتخابات ہو چکے تھے۔ عوام کا سیاسی نصب العین اب ذمہ دار نظام حکومت سے بڑھ کر اب مکمل جمہوری آئینی حکومت تک پہنچ گیا تھا۔

اس سلسلہ میں مسلم کانفرنس کے جولائی 1946ء کے سالانہ کنونشن میں اتفاق رائے سے منظور شدہ قرارداد کا ذکر بے جا نہ ہو گا جسے "قرارداد آزاد کشمیر" کے

نام سے موسوم کیا گیا۔ قرارداد میں مہاراجہ ہری سنگھ سے مطالبہ کیا گیا کہ "موجودہ زائد المعیاد اسمبلی کو برخاست کر کے اس کی جگہ ایک ایسی آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے جو بالغ رائے دہی کے اصولوں پر منتخب کی گئی ہو جس میں معاشرے کے ہر فرقے اور ہر قومیت کے لوگوں کو اپنی آبادی کے تناسب سے اپنے نمائندے چننے کا اختیار ہو۔ مجوزہ اسمبلی کو ریاست جموں و کشمیر کا آئین مرتب کرنے کا اختیار ہونا چاہیے۔

(محمد یوسف صراف "کشمیریز فائٹ فار فریڈم" صفحہ 694-95)

جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمید اللہ خان نے 28 مئی 1947ء کو جموں میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے واضح کیا کہ۔۔۔

"ہم سب کے لئے بہتر یہی ہے کہ ہم مسلم لیگ اور کانگریس دونوں سے الگ تھلگ رہیں۔ ہم ہندوستان اور پاکستان دونوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم دونوں کے ساتھ سیاسی اور معاشی تعلقات رکھنا چاہتے ہیں لیکن ہم ان دونوں میں سے کسی کو اپنے اوپر اثر انداز نہیں ہونے دیں گے۔ ہمارا خیال ہے کہ پاکستان کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات اچھے ہوں گے اور حکمران ہندو خاندان کی موجودگی میں بھارت کے ساتھ بھی خوش گوار تعلقات ہوں گے۔"

(محمد یوسف صراف "کشمیریز فائٹ فار فریڈم" 707-708)

اس سے قبل چوہدری حمید اللہ خان صدر مسلم کانفرنس 10 مئی 1947ء کو ایک اخباری بیان میں مہاراجہ ہری سنگھ سے یہ اپیل کر چکے تھے کہ وہ۔۔۔

"بلا تاخیر ریاست کی مکمل آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دے اور ایک دستور ساز اسمبلی بلائے تا کہ ریاست کے عوام اپنی خواہش کے مطابق دستور مرتب کر سکیں۔"

بیان میں مزید کہا گیا تھا کہ۔۔۔

"اگر مہاراجہ اس پالیسی پر عمل کرے تو وہ ریاست کے مسلمانوں کی حمایت اور ان کے تعاون پر بھروسہ کر سکتا ہے۔ ریاست میں مسلمانوں کی آبادی 80 فی صد ہے۔ اور مسلم کانفرنس ان کی ایک بااختیار منظم تنظیم ہے۔ مسلمان عوام مہاراجہ کا ایک جمہوری اور خود مختار کشمیر کے پہلے آئینی بادشاہ کی حیثیت سے پر جوش خیر مقدم کریں گے۔"

(زاہد چوہدری "پاکستان کی سیاسی تاریخ جلد 3" صفحہ 141)

مؤرخ محمد سرور عباسی نے لکھا:۔

"چوہدری حمید اللہ خان نے مہاراجہ کشمیر کو یہ مشورہ دیا کہ فوراً ریاست کو آزاد و خود مختار قرار دیا جائے۔ نیز ایک دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے تا کہ عوام اپنی خواہشات کے مطابق اپنا دستور تیار کر سکیں"

("تحریک آزادی کشمیر کی تاریخ۔ بحوالہ ہفت روزہ کشمیر" جلد 18 صفحہ نمبر 44)

اس بات کی تائید سردار محمد ابراہیم خان نے بھی اپنی کتاب کشمیر ساگا (Kashmir Saga) میں ان الفاظ میں کی:۔

"بہر حال آل کشمیر مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمید اللہ خان کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا گروپ ایسا تھا جو ہندوستان اور پاکستان دونوں

کونظرانداز کرکے ریاست جموں کشمیر کی مکمل آزادی اور خودمختاری کا حامی تھا۔"

(سردار محمد ابراہیم خان "کشمیر ساگا" صفحہ 34)

مسلم کانفرنس کی جولائی 1946ء کی "قرارداد آزاد کشمیر" جو چوہدری غلام عباس خان کی قیادت میں اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھی، اور اس کے بعد صدر مسلم کانفرنس چوہدری حمید اللہ خان کے بیانات نے کشمیری عوام کے لئے ایک ٹھوس، حقیقت پسندانہ اور قابل عمل بنیاد فراہم کردی تھی۔۔۔۔ ایک ایسی آئین ساز اسمبلی کا قیام، جو بالغ رائے دہی کے اصولوں پر منتخب کی گئی ہو اور جس میں معاشرے کے ہر فرقے اور ہر قومیت کے لوگوں کو اپنی آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی گئی ہو اور جسے ریاست کے لئے ایک جمہوری آئین مرتب کرنے کا اختیار ہو۔۔۔۔ وقت کی اہم ترین ضرورت تھی۔ ریاست کا حکمران اور اس کا وزیر اعظم پہلے ہی ریاست کو آزاد خودمختار قرار دینے کے حق میں تھے۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ باہمی مشاورت سے کوئی پیش رفت کئے بغیر ہمارے لیڈر حضرات مختلف سمتوں میں چل پڑے۔ اصل مقصد نظروں سے اوجھل ہوگیا، ذاتی یا گروہی مفادات کا حصول وقت کا چلن بن گیا اور

"لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی"

کے مصداق ہماری منزل گم کردہ قوم 1947ء کی اس غلط روی کی اب تک سزا بھگت رہی ہے۔

یہاں ایک اور بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ کشمیر میں سیاسی بیداری کا آغاز 1920ء میں ہوگیا تھا اور باقاعدہ سیاسی تحریک 1931ء میں چل پڑی تھی۔ 1947ء تک خاصی کامیابی کے ساتھ یہ تحریک چلتی رہی۔ لیکن ایک چیز کی کمی پھر بھی محسوس

ہوتی ہے کہ کشمیر کی تحریک آزادی کی قیادت نے برصغیر ہندوپاک سے باہر، خاص طور پر اپنے ہمسایہ ممالک کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ پڑوس کے ممالک چین، تاجکستان، ازبکستان اور دوسرے وسط ایشیائی ممالک کے ساتھ کشمیر کے صدیوں سے نہایت قریبی اور نہایت گہرے تعلقات رہے ہیں۔ آزادی کی تحریک میں ان ممالک کی معاونت سودمند ثابت ہوسکتی تھی۔ لیکن کسی سے رجوع نہیں کیا گیا۔ اس وقت چین اور کشمیر کے قدیمی اور موجودہ تعلقات ہمارے زیر بحث ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ہم مختلف شعبہ جات میں ان تعلقات پر بات کرچکے ہیں۔ اس وقت ہم سیاسی تعلقات کے حوالے سے چند حقائق کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں۔

● 27 فروری 2002ء کو ہمارے چینی مہمان پروفیسر لوشوئی لین نے میرپور میں ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ 513ء میں چین کے شاہی دربار میں کشمیر کے سفیر کی موجودگی چینی حکومت کے سرکاری ریکارڈ سے ثابت ہوئی ہے۔

● چین کے تاریخی ریکارڈ میں تانگ دور حکومت میں 541ء میں کشمیر کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

"کشمیر ہندوستان کے شمال میں واقع ایک ایسا بیش قیمت اور خوبصورت ہیرا (Jewel) ہے جسے چاروں اطراف سے بلند و بالا برف پوش کوہساروں نے اپنی حفاظت میں لیا ہوا ہے۔"

(PNK بامزئی "کلچرل اینڈ پولیٹیکل ہسٹری" صفحہ 42)

● 713ء میں چین کے شاہی دربار میں کشمیر کے بادشاہ چن۔تو۔لو۔پی۔لی یعنی چندراپیڑ نے اپنا سفیر بھیجا تھا۔ اس کے بعد مہاراجہ مکتاپیڑ (للتاوت) نے بھی شہنشاہ چین کے

دربار میں اپنا سفیر بھیجا جس کا وہاں نہایت شاہانہ استقبال کیا گیا اور اسے گراں بہا تحائف دے کر رخصت کیا گیا جن میں ریشمی کپڑے کے پانچ سو تھان شامل تھے۔

(ایضاً صفحہ 43)

● تاریخ ہمیں ایک اور اہم واقعہ کے پتہ دیتی ہے۔ جب للتادت (مکتاپیڈ) کشمیر کا بادشاہ بنا تو اس نے شہنشاہ چین سے درخواست کی کہ اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا جائے۔ شہنشاہ نے بلا کسی تامل کے ایک شاہی فرمان کے ذریعے للتادت کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا۔ یہ 20-719ء کا واقعہ ہے۔

(ایضاً صفحہ 43)

کہتے ہیں تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ آٹھویں صدی میں مہاراجہ للتادت کی درخواست پر شہنشاہ چین نے اس کی بادشاہت کو کسی حیل و حجت کے بغیر تسلیم کر لیا تھا۔ 20 صدی میں پھر ایک موقع ایسا آیا جب کشمیر کی حکومت کو تسلیم کرنے کا سوال پیدا ہوا۔ اکتوبر 1947ء میں آزاد کشمیر حکومت کا قیام عمل میں آیا تو اس حکومت نے پاکستان سے درخواست کی کہ اسے ریاست جموں کشمیر کی جائز انقلابی حکومت تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن اس تجویز پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ چند سال بعد 1960ء کی دہائی میں خورشید حسن خورشید آزاد کشمیر کے منتخب صدر تھے انہوں نے آزاد کشمیر حکومت کو تسلیم کروانے کے نعرے پر صدارت کا انتخاب لڑا تھا اور کامیاب ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں ان کی سٹیٹ کونسل کے بارہ کے بارہ اراکین اسی موقف کے حامی تھے۔ سٹیٹ کونسل نے اتفاق رائے سے آزاد حکومت کو تسلیم کرنے کی قرارداد منظور کر کے حکومت پاکستان کو بھیج دی تھی۔ لیکن پاکستان کے حکمران یوں تو کشمیریوں کے حق خود ارادیت

کی دن رات تائید و حمایت کرتے رہتے ہیں لیکن ڈیڑھ کروڑ کشمیریوں کے وجود کو تسلیم کرنا انہیں منظور نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ گزشتہ 54 سال سے مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بھارت اور پاکستان کو تو مسئلہ کشمیر کے فریق تسلیم کیا جاتا ہے۔ کشمیریوں کا کہیں کوئی نام نہیں۔

چند سال قبل روزنامہ جنگ نے مسئلہ کشمیر کے بارے میں ایک فورم کا اہتمام کیا جس میں کشمیر کے مختلف الخیال رہنماؤں کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ اس فورم کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں:۔

بیرسٹر سلطان محمود صدر آزاد مسلم کانفرنس نے بیان کیا:

''میں نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا مسئلہ کشمیر میں فریق تو بھارت اور پاکستان ہیں کشمیری نہیں ہیں۔ اس لئے کوئی ممبر ملک اس مسئلے کو اُٹھائے تو اس پر بحث ہو سکتی ہے۔''

جنرل محمد حیات خان چیئرمین کشمیر لبریشن الائینس نے کہا:

''1948ء کے بعد کشمیریوں کو مسئلہ کشمیر سے الگ کر دیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر میں بھارت اور پاکستان کو فریق قرار دیا گیا ہے۔''

گلگت کے رہنما قربان علی نے کہا:

''اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر میں پاکستان اور بھارت فریق بنے اور کشمیری درمیان میں خواہ مخواہ پستے رہے۔ وہ اقوام متحدہ میں جا ہی نہیں سکتے۔''

چوہدری محمد شریف طارق صدر لبریشن لیگ نے کہا:

''مسئلہ کشمیر میں بھارت اور پاکستان فریق ہیں، کشمیری فریق نہیں ہیں

چنانچہ ان کی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے۔"

(روزنامہ "جنگ" 21 جنوری 1990ء)

ایک تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ ہمارے دونوں ہمسایہ ممالک 1947ء سے ہی کشمیر کی 85,000 مربع میل پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں دونوں اس پر قبضہ کر کے اپنے ملک کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔ پاکستان کی طرف سے 1947ء میں کشمیر پر قبائلی یلغار اسی مقصد کے لئے تھی اور بھارت نے جو اپنی افواج اکتوبر 1947ء میں کشمیر میں داخل کی تھیں ان کا بھی یہی مقصد تھا۔ بھارت کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ قرار دیتا ہے اور پاکستان اسے اپنی شہ رگ بتاتا ہے۔ غور کیا جائے تو ان دو اصطلاحوں سے دونوں حکومتوں کی نیت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ کشمیر کی 85 مربع میل عرض زمین ہے جو بھارت کا اٹوٹ انگ ہے یا پاکستان کی شہ رگ ہے۔ جیتے جاگتے انسان کسی کا اٹوٹ انگ یا شہ رگ نہیں ہو سکتے لہٰذا یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بھارت و پاکستان کشمیر کی زمین پر بسنے والے ڈیڑھ کروڑ انسانوں کو اٹوٹ انگ یا شہ رگ نہیں بتاتے بلکہ یہ وہ زمین ہے جس پر کشمیری بستے ہیں، دونوں ملکوں کے درمیان وجہ نزاع بنی ہوئی ہے۔ اس لئے یہ توقع رکھنا کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتیں کشمیری قوم کے وجود کو تسلیم کر کے اقوام متحدہ یا کسی اور فورم میں اپنا کیس پیش کرنے کا حق دیں گے عبث ہے۔

یہ صورت حال محض اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ 54 سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود آزاد کشمیر کی سیاسی حیثیت کو پاکستان کا حکمران طبقہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اکتوبر 1947ء میں اس حکومت کے قائم ہوتے ہی حکومت پاکستان سے

اسے تسلیم کرنے کی درخواست کی گئی۔ اس کے مدعی سردار محمد ابراہیم خان ابھی بقید حیات ہیں اس درخواست کو نظر انداز کر دیا گیا۔ خورشید حسن خورشید کی تحریک کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ اس تحریک کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ نوکر شاہی کے پروردہ سیاست کاروں نے اسے پاکستان کے خلاف ایک سازش قرار دیا۔

حیرت کی بات ہے کہ ریاست جموں کشمیر کا 34 ہزار مربع میل رقبہ بھارتی تسلط سے آزاد ہے۔ لیکن اس خطے کی کوئی پہچان نہیں ہے۔ یہ خطہ ہے جسے اپنے وطن عزیز کی جنگ اقوام متحدہ اور باقی بین الاقوامی اداروں میں لڑنا چاہیئے تھی۔ لیکن ہمارے قریب ترین دوست اور بھائی ہمیں یہ حیثیت دینے کے لئے تیار ہیں۔

مشرقی پاکستان جو مملکت پاکستان کا ایک بازو تھا۔ اس کی بنگلہ دیش بننے کی تحریک اپنی انتہا کو پہنچی تو ان کے پاس ایک گز زمین کا ٹکڑا بھی نہ تھا جب انکی قیادت نے کلکتہ میں اجلاس بلا کے حکومت کا اعلان کیا۔ کیے بعد دیگرے تمام ممالک اسے تسلیم کرنے لگے۔ حتیٰ کہ پاکستان نے بھی لاہور کی اسلامی سربراہی کانفرنس میں ساری اسلامی دنیا کے سامنے بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا۔ آج یہی بنگلہ دیش پاکستان کے قریب ترین اور مخلص ترین دوستوں میں شامل ہے۔

ہمارے عظیم فلسطینی رہنما یاسر عرفات نے فلسطین کی مملکت کا اعلان کیا تو ان کے پاس بھی زمین کا کوئی ٹکڑا نہ تھا۔ لیکن سوائے امریکہ اور اسرائیل کے مشرق و مغرب کے بیشتر ممالک اسے تسلیم کرتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل فلسطین کی آزادی کا مختصر تعارف پیش کیا جائے۔

تنظیم آزادی فلسطین:

برطانیہ نے 2 نومبر 1917ء کو اعلان بالفور کے ذریعہ صیہونیوں کو یقین دلایا کہ فلسطین میں یہودیوں کا قومی وطن قائم کیا جائے گا۔

برطانوی فوجیں 9 دسمبر 1917ء کو بیت المقدس میں داخل ہو گئیں اور جنرل ایلن بی نے شہر کا گشت کرنے کے بعد اعلان کیا کہ آج صلیبی جنگوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ حکومت برطانیہ نے اعلان بالفور کو عملی شکل دینے کے لئے لیگ آف نیشنز (League of Nations) سے فلسطین کو اپنے زیر نگرانی رکھنے کی قانونی آڑ حاصل کی۔ اس طرح یہودیوں کو فلسطین میں بلا روک ٹوک داخل ہونے کی کھلی اجازت مل گئی۔

1919ء میں فلسطین میں یہودیوں کی تعداد 58000 تھی جو 1941ء تک بڑھتے بڑھتے 608000 (چھ لاکھ آٹھ ہزار) ہو گئی۔ اس عرصہ میں یہودی نوآبادیوں کی تعداد 71 سے بڑھ کر 372 ہو گئی۔

(عباس احمد آزاد "20 ویں صدی میں قومی آزادی کی تحریکیں" صفحہ 151/158)

اپریل 1968ء تک اسرائیل کی کل آبادی 2799300 تھی جس میں 2454200 یہودی تھے اور 38100 غیر یہودی۔

(پروفیسر محمد سرور "فدائی تحریک" صفحہ 3)

1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے فلسطین کو تقسیم کر کے ایک عرب اور ایک اسرائیلی ریاست قائم کرنے کا اعلان کیا۔ برطانیہ نے اس علاقے سے 1948ء میں اپنی افواج واپس بلا لیں، اور 14 مئی 1948ء کو

اسرائیل کی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کے ساتھ ہی فلسطینی ریاست قائم کر دی جاتی لیکن ایسا نہ ہوا۔

فلسطینی رہنما یاسر عرفات نے 1959ء میں کویت میں الفتح نامی تنظیم کے قیام کا اعلان کیا۔ 1968ء میں یاسر عرفات تنظیم آزادی فلسطین (PLO) کے چیئر مین بنے۔

(عباس احمد آزاد "قومی آزادی کی تحریکیں" صفحہ 162)

PLO فلسطینی عربوں کی ایک خالصتاً جمہوری اور سیکولر تنظیم ہے۔ اس میں مسلمان، عیسائی اور یہودی فلسطینی شامل ہیں۔ اسرائیل نے بیروت میں فدائی مراکز پر حملہ کیا تھا تو اس میں چالیس فلسطینی فدائی شہید ہوئے تھے۔ جن میں فدائی تنظیم کے تین ممتاز رہنما شامل تھے ان شہیدوں میں ایک کمال ناصر تھے جو تنظیم کے ترجمان اخبار فلسطین الثورہ کے ایڈیٹر تھے۔ کمال ناصر، ادیب اور شاعر تھے ان کی شہادت پر یاسر عرفات نے تعزیتی پیغام میں کہا کہ کمال ناصر انقلاب فلسطین کا ضمیر تھا۔ کمال ناصر عیسائی تھے۔ انہی فدائین میں ایک الفوان داؤد تھے۔ 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے بعد کیوبا چلے گئے اور کاسترو کے ساتھ مل کر امریکی سامراج کے خلاف لڑتے رہے۔ فلسطین میں جدوجہد شروع ہوئی تو واپس آ گئے اور یہاں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ بھی عیسائی تھے۔

(پروفیسر سرور "فدائی تحریک" صفحہ 10)

یاسر عرفات نے فلسطین کی آزاد حکومت کا اعلان کیا تو سوائے امریکہ اور اسرائیل کے دنیا کے بیشتر ممالک نے اسے تسلیم کر لیا۔ مئی 1992ء تک دنیا کے

103 ممالک میں PLO کے سفارتخانے کھل چکے تھے۔ تنظیم کے کئی اخبارات بیروت، کویت اور دیگر عرب ممالک سے شائع ہو رہے ہیں۔ تین عرب روزنامے جو یروشلم سے نکلتے ہیں۔ انہیں بھی PLO کنٹرول کرتی ہے۔

(عباس احمد آزاد "قومی آزادی کی تحریکیں" صفحہ 166)

فروری 1973ء میں پی ایل او (PLO) کا ایک وفد یاسر عرفات کی قیادت میں بلغاریہ گیا۔ وفد کے اعزاز میں افریشیائی اتحاد کی انجمن کی طرف سے استقبالیہ دیا گیا۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے قائد وفد یاسر عرفات نے کہا:

''ہم سرزمین فلسطین پر یہودیوں کے ایک حصہ کے ساتھ ہزاروں سال سے رہتے رہے ہیں۔ ہماری اس انقلابی جدوجہد کا مقصد ایک فلسطینی ریاست کا قیام ہے جو جمہوری ہو۔ فلسطین کی سرزمین پر کسی نسلی اور مذہبی تمیز کے بغیر مسلمان، عیسائی اور یہودی ایک برادری اور ایک قوم کی حیثیت سے امن و سلامتی محبت اور اخوت کے ساتھ رہ سکیں۔ ہماری اس قومی انقلابی جدوجہد کا یہ ایک ہمہ انسانی پہلو اور تہذیبی کردار ہے۔''

(پروفیسر محمد سرور "فدائی تحریک" صفحہ 19)

نومبر 1973ء میں الجزائر میں عرب سربراہوں کی چوٹی کانفرنس میں متفقہ طور پر تنظیم آزادی فلسطین (PLO) کو فلسطینی عربوں کی واحد نمائندہ تنظیم تسلیم کر لیا گیا۔

(ایضاً۔ صفحہ 22)

15 نومبر 1988ء کو یاسر عرفات نے فلسطینی ریاست کے قیام کا ڈکلیریشن

جاری کیا۔ امریکہ اور اسرائیل اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

ایک موقع پر ادارہ اقوام متحدہ (UNO) نے یاسر عرفات کو جنرل اسمبلی سے خطاب کی دعوت دی۔ امریکہ نے انہیں ویزہ جاری کرنے سے انکار کر دیا تو اقوام متحدہ نے اپنی جنرل اسمبلی کا اجلاس جنیوا منتقل کر دیا۔ جہاں یاسر عرفات نے اجلاس سے خطاب کیا۔

امریکہ اور اسرائیل یوں تو فلسطین کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن عملی صورت یہ ہے کہ دونوں ممالک درجنوں مرتبہ فلسطینی رہنما یاسر عرفات کے ساتھ مختلف کانفرنسوں میں فلسطین کے مسئلہ پر تبادلہ خیالات کرتے رہے ہیں بلکہ بعض موقعوں پر آپس میں معاہدوں پر دستخط بھی کرتے رہے ہیں۔

13 ستمبر 1993ء کو اسرائیل اور پی ایل او (PLO) کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس میں PLO نے اسرائیل کے زندہ رہنے کے حق کو تسلیم کر لیا اور اسرائیل فلسطینیوں کو اندرونی خود مختاری دینے پر راضی ہو گیا۔ نیز غرب اردن کا علاقہ اور غزہ کی پٹی پر فلسطین کا اقتدار تسلیم کر لیا۔

13 اکتوبر 1998ء کو وائیٹ ہاؤس میں صدر بل کلنٹن کی کوشش سے نیتن یاہو اور یاسر عرفات کے درمیان ایک امن معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں اسرائیل مغربی کنارے کے مزید علاقے فلسطین کو دینے پر رضامند ہو گیا۔ مذاکرات میں صدر کلنٹن بھی شامل رہے۔ کچھ عرصہ سے صدر جارج بش کے دماغ میں دنیا کی واحد سپر پاور ہونے کا نشہ کچھ زیادہ ہی چڑھ گیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو مشرق و مغرب کا (نعوذ باللہ) 'قادر مطلق' سمجھنے لگے ہیں۔ کچھ دنوں سے وہ تنظیم آزادی فلسطین

(PLO) کی قیادت تبدیل کرنے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ تاہم برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر سمیت کئی ممالک کے رہنماؤں نے اس پر سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ اور واضح کیا ہے کہ کسی بھی قوم کو اپنا لیڈر خود چننے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ کوئی باہر کی طاقت ان پر قیادت مسلط نہیں کرسکتی۔

فلسطین کی حکمران جماعت ''الفتح'' کی نیشنل کانفرنس نے جناب یاسر عرفات کی مکمل حمایت کا بھرپور اعلان کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ امریکی دباؤ قبول نہیں کریں گے۔

scaned by israr mughal

info secrtary jammu and kashmir liberation front

باب: 9

تقسیم ہند کے بعد

1947ء میں برطانوی حکومت نے برصغیر ہندوستان کو دو آزاد مملکتوں بھارت اور پاکستان میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور 15 اگست 1947ء کو یہ دونوں مملکتیں وجود میں آگئیں۔ قانون آزادئ ہند (Indian Independence Act) میں جس کے تحت یہ تقسیم عمل میں آئی تھی، ریاستوں کے بارے میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ ریاستیں اگر چاہیں تو بھارت یا پاکستان کسی کے ساتھ الحاق کرلیں اور اگر چاہیں تو اپنی آزادی وخودمختاری کا اعلان کردیں۔ ریاستوں کے اس استحقاق کو بھارت اور پاکستان دونوں نے تسلیم کرلیا تھا چنانچہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے کئی موقعوں پر واضح کیا:

> ''آئینی اور قانونی طور پر برطانوی راج ختم ہوتے ہی ریاستیں خودمختار ہوں گی۔ انہیں اپنی راہ خود متعین کرنے کا اختیار ہوگا۔ وہ مختار ہوں گی کہ بھارت کی آئین ساز اسمبلی میں شامل ہوں یا پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں یا اگر چاہیں تو آزاد رہیں''

(روزنامہ ''پاکستان ٹائمز'' 18 جون 1947ء)

مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری (بعد میں پاکستان کے وزیراعظم) لیاقت علی خان نے اسی مؤقف کا اعلان ایک اخباری بیان میں کیا۔

''ہندوستانی ریاستیں ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ معاہدے طے کرنے

کے لئے آزاد ہوں گی یا وہ اپنے لئے مکمل خود مختاری کا اعلان بھی کر سکتی ہیں‘‘

(روزنامہ "ڈان" 22 اپریل 1947ء)

اسی آئینی استحقاق کے مطابق مہاراجہ ہری سنگھ اور ان کے وزیراعظم پنڈت رام چندر کاک جموں کشمیر کی ریاست کو خود مختار رکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھارت اور پاکستان دونوں حکومتوں سے حالات کو جوں کا توں رکھنے کے لئے سٹینڈ سٹل ایگریمنٹ کرنے کی درخواست کی تھی۔ بھارت نے اس تجویز کا کوئی جواب نہیں دیا جبکہ پاکستان نے اس تجویز کو قبول کر کے حکومت جموں کشمیر کے ساتھ معاہدہ جاریہ پر دستخط کر دیے۔

یہ موقع تھا جب کشمیری قوم کی لیڈرشپ کو اپنے وطن کی جغرافیائی حیثیت اور ایک آزاد ملک کی حیثیت سے کشمیر کی ہزاروں سال کی تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے وطن عزیز کے کھوئے ہوئے شاندار اور باوقار مقام کی بازیابی کے لئے متحد ہو کر قدم اٹھانا چاہیئے تھا۔ قانون آزادیٔ ہند میں ریاستوں کا حق تسلیم کر لیا تھا لیکن اس کے استعمال کا حق والیان ریاست کو دے دیا گیا تھا۔ کشمیر میں چونکہ ریاست کے حکمران اور ان کے وزیراعظم پہلے ہی اس حق میں تھے اس لئے کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی۔ ہمارے رہنماؤں کو آپس کے مشورے سے مہاراجہ ہری سنگھ کی طرف دستِ تعاون بڑھانا چاہیئے تھا اور ریاست جموں کشمیر کو ایک آزاد و خود مختار ملک قرار دلوانا چاہیئے تھا۔ یہ کوئی نیا ملک بنانے کی بات نہ تھی بلکہ ایسا کرنا کشمیر کے شاندار ماضی کے تسلسل کو استقامت دینے اور اسے قائم رکھنے کے مترادف تھا۔ وہ قابل فخر ماضی جس کے

بارے میں تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ:۔

- دوسری اور تیسری قبل مسیح میں راجہ دیانند اور راجہ سندیمان کے دورِ حکومت میں کشمیر کی سرحدیں شمال میں کاشغر اور ختن اور مغرب میں کابل اور قندھار تک پھیلی ہوئی تھیں۔
- مؤرخ کلہن کے مطابق کشمیر کی معروف تاریخ کا آغاز 450 قبل مسیح میں ہوتا ہے جب راجہ گونندہ یہاں کا حکمران تھا اس نے متھرا کے مقام تک اپنی مملکت کو وسعت دی تھی۔ اس کے بیٹے دانود کے دورِ حکومت میں گندھارا کشمیر راج میں شامل تھا۔
- نامور چینی سیاح ھیون سیانگ 629ء میں ٹیکسلا آیا اور 631ء میں وہاں سے کشمیر آیا۔ اس نے لکھا ہے ان دنوں ٹیکسلا کشمیر راج میں شامل تھا۔ ھیون تسانگ دو سال رہ کر 633ء میں واپس چلا گیا۔
- کشمیر کے ایک حکمران راجہ جسوبن کی حدود مملکت ملتان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ محمد بن قاسم نے 93 ہجری (14-713ء) میں ملتان فتح کیا تو اسے ایک خفیہ خزانے کا بتایا گیا جو کسی وقت راجہ نے ایک مندر میں دفن کر رکھا تھا۔ محمد بن قاسم نے اپنے سالار شعبان ثقفی کی مدد سے یہ خزانہ کھود نکالا۔ تواریخ "فتوح البلدان" اور "چچ نامہ" کے مطابق چالیس مٹکوں میں سونا سفوف کی شکل میں برآمد ہوا۔ یہاں سے حاصل ہونے والے سونے کی کل مقدار 1320 من تھی۔ یہ سارا سونا خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں بھیج دیا گیا۔
- مہاراجہ للتادت 695ء سے 732ء تک حکمران رہا۔ اس نے اپنی مملکت کو مشرق میں قنوج تک جنوب میں گندھارا اور پرشپور (پشاور) تک اور شمال میں

بخارا تک وسعت دی تھی۔

● سلطان شہاب الدین 1360ء سے 1378ء تک حکمران رہا۔ ہندوستان میں اس زمانے میں فیروز شاہ تغلق کی حکومت تھی۔ سلطان شہاب الدین پنجاب کو فتح کرتا ہوا ستلج کے کنارے جا پہنچا جہاں فیروز شاہ تغلق کی افواج نے اس کا مقابلہ کیا۔ فیروز شاہ شکست کھا گیا۔ چنانچہ ایک معاہدے کے تحت ''از کشمیر تا سرہند مملکت سلطان شہاب الدین مسلم شد۔'' (یعنی کشمیر سے سرہند تک سلطان شہاب الدین کی حکمرانی تسلیم کی گئی)

● سلطان زین العابدین بڈشاہ کے دور حکومت میں کشمیر کی سرحدیں مشرق، مغرب، جنوب اور شمال میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لارنس (Lawrence) ویلی آف کشمیر میں لکھتا ہے کہ پشاور سے سرہند تک بڈشاہ کی حکومت قائم تھی ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے کہ زین العابدین سرہند تک جا پہنچا تھا۔

بد قسمتی سے تقسیم ہند کے فوراً بعد کشمیر کے لیڈر حضرات دو دھڑوں میں بٹ گئے ملک اور قوم کے مستقبل کے بارے میں آپس کے مشورے سے کوئی متفقہ راستہ اختیار کرنے کی بجائے ان لیڈر حضرات کی ایک کیمپ نے دہلی کا راستہ لیا اور دوسری کیمپ نے کراچی کی راہ لی۔ سردار محمد ابراہیم خان نے' جو کئی بار آزاد کشمیر کے صدر رہ چکے ہیں' ایک انٹرویو میں اس صورت حال پر روشنی ڈالی ہے۔ سردار صاحب نے فروری 1987ء میں روزنامہ پکار اسلام آباد کو انٹرویو دیتے ہوئے انکشاف کیا

''ایک بات صاف نظر آ رہی ہے کہ جب مہاراجہ ہری سنگھ ریاست کو آزاد

وخود مختار رکھنے کی سیاسی لڑائی لڑ رہا تھا' کشمیری رہنما ریاست کی تقسیم کی بنیادیں رکھ رہے تھے۔''

''مہاراجہ ایک تدریجی عمل کے ذریعہ پارلیمانی جمہوریت کے مراحل طے کر رہا تھا۔ اس نے کانگریس اور مسلم لیگ کی اعلیٰ ترین قیادت کے ساتھ معاہدہ جاریہ (جوں کی توں صورت حال) کی شکل میں ریاست کے مستقبل کے بارے میں اہم اصول طے کر لئے تھے۔ کیا اس سے اس رائے کو تقویت نہیں ملتی کہ مہاراجہ ریاست کے اتحاد اور وحدت کے لئے جو کوشش کر رہا تھا اسے ریاست کی سیاسی قوتوں نے سبوتاژ کیا۔''

(روزنامہ' پکار' اسلام آباد 6 فروری 1987ء)

باب:10

مسئلہ کشمیر اور عوامی جمہوریہ چین

مسئلہ کشمیر کے بارے میں عوامی جمہوریہ چین کا رویہ ابتدا سے ہی مثبت رہا ہے۔ چین نے اس دور میں بھی جب ''ہندی چینی بھائی بھائی'' کے نعرے لگائے جا رہے تھے کشمیر کے مسئلے پر کبھی بھارت کی حمایت نہیں کی۔ چینی حکومت اس معاملے میں بڑی حد تک غیر جانبدار رہی۔ اس بات کی تائید میں ہمیں تاریخ سے بہت مثالیں ملتی ہیں۔

☆ 1951ء میں چین کے ایک ثقافتی وفد نے، جو بھارت کے دورے پر گیا تھا، کسی وضاحت کے بغیر کشمیر جانے کا پروگرام منسوخ کر دیا۔

☆ 1955ء میں عوامی جمہوریہ چین نے کشمیر کے مسئلہ پر بھارت کی حمایت کرنے پر سوویت یونین سے ناراضگی کا اظہار کیا۔

☆ ستمبر 1956ء میں پاکستان نے وزیراعظم حسین شہید سہروردی سے بات چیت کرتے ہوئے چواین لائی نے کہا کہ چین کشمیر کو ایک متنازعہ مسئلہ سمجھتا ہے اور غیر جانبداری پر عمل کرتا ہے۔

(''جن منھ ڑی باؤ'' (چینی اخبار) 24 اکتوبر 1956ء)

☆ 9 دسمبر 1956ء کو وزیراعظم چواین لائی نے ایک پریس کانفرنس میں اس بات کا اعادہ کیا کہ چین کشمیر کو بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک متنازعہ مسئلہ سمجھتا ہے۔

(چینی اخبار ''جن منھ ڑی باؤ'' 9 دسمبر 1956ء)

scaned by israr mughal

info secrtary jammu and kashmir liberation front

☆چند ہفتے بعد چواین لائی نے اپنے دورۂ پاکستان کے دوران پاکستان کو یقین دلایا کہ چین کشمیر کے بارے میں بالکل غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کئے ہوئے ہے اور چین کی خواہش ہے کہ پاکستان اور بھارت دو طرفہ پرامن مذاکرات کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کریں اور کسی بیرونی مداخلت کو قبول نہ کریں۔

(ایضاً 24 دسمبر 1956ء)

☆5 فروری 1957ء کو سری لنکا کے وزیر اعظم بندرانائیکے کے ساتھ ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں چواین لائی نے بھارت اور پاکستان دونوں سے اپیل کی کہ وہ مسئلہ کشمیر کو پرامن بات چیت کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کریں۔

(روزنامہ "ہندو" 6 فروری 1957ء)

☆دو ماہ بعد پولینڈ کے پرائم منسٹر سائی ران کی وز (Cyrankiewiez) کے ساتھ 11 اپریل 1957ء کو ایک مشترکہ اعلانیہ میں چواین لائی نے کہا۔

بھارت اور پاکستان کو کشمیر کا مسئلہ پرامن مذاکرات کے ذریعہ حل کر لینا چاہیئے اور کسی بیرونی طاقت کو یہ اجازت نہیں دینی چاہیئے کہ وہ اس میں مداخلت کر کے کوئی نیا تناؤ پیدا کریں۔

("زیجو نالیوذو" 12 اپریل 1957ء)

☆جون 1957ء میں چیئرمین ماؤزے تنگ نے برملا طور پر یہ اعلان کیا کہ چین کشمیر کے معاملے میں بالکل غیر جانبدارانہ حکمتِ عملی اپنائے ہوئے ہے۔ انہوں نے سوویت یونین اور دوسرے کمیونسٹ ممالک سے اپیل کی کہ وہ بھی اس معاملہ میں مکمل غیر جانبداری کا اعلان کریں۔

(روزنامہ "ڈان" کراچی 21 جون 1957ء)

☆چیئرمین ماؤ کے اس بیان کا خیر مقدم کر کے پاکستان کے وزیر خارجہ فیروز خان نون نے اعلان کیا کہ اگر روس بھی چین کی طرح غیر جانبداری کا رویہ اپنائے اور بھارت کی حمایت میں سلامتی کونسل کی قراردادوں کو ویٹو نہ کرے تو مسئلہ کشمیر کسی تاخیر کے بغیر حل ہو سکتا ہے۔

(کے سرور حسن "ڈاکیومنٹ، چائنیہ انڈیا اینڈ پاکستان" 1968ء صفحہ 364-365)

☆1958ء کے موسم گرما میں بھارتی حکومت کے علم میں یہ بات آئی کہ چینی حکومت نے سنکیانگ کو مغربی تبت سے ملانے کے لئے اقصائے چین کے علاقے میں سے ایک شاہراہ تعمیر کی ہے۔ اس سڑک کی تعمیر کا کام 1954ء میں شروع ہوا اور 1957ء میں اختتام کو پہنچا۔ جب بھارت نے احتجاج کیا تو چواین لائی نے جواب دیا کہ سنکیانگ تبت روڈ خالصتاً چینی علاقے میں سے گزرتی ہے۔ بھارت نے چین کے اس دعوے کو مسترد کر دیا۔

("وائٹ پیپر" نمبر 1۔ 1959-1964۔ صفحہ نمبر 52-64)

☆1959ء میں چین کی کشمیر پالیسی کے بارے میں ایک تبدیلی آئی۔ اپریل 1959ء میں چین کی کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے کئی اجلاسوں میں اس موضوع پر بحث مباحثے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ کشمیر کے بارے میں ایک نئی اپروچ اپنائی جائے تا کہ بھارتی لیڈر شپ کو سبق سکھایا جا سکے۔

"It was decide d to take a new approach tow ards the Kashmir issue to teach a lesson to the Indian leadership.

اس طرح کشمیر کے مسئلے کو ایک سٹریٹیجک اہمیت حاصل ہو گئی۔

1959ء کے موسم خزاں میں لداخ میں بھارتی فوجیوں اور چین کے سرحدی

محافظوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔ 21 اکتوبر 1959ء کو نئی دہلی میں یہ خبر موصول ہوئی کہ چینی اور بھارتی دستوں میں جھڑپ کے نتیجے میں 9 بھارتی فوجی ہلاک ہو گئے ہیں اور 10 کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

اس واقعہ سے بھارت کے اندر اور باہر عوامی سطح پر ملا جلا ردعمل ظاہر ہوا۔ سوویت یونین نے ابتدا میں تو کھل کہ بھارت کی حمایت کی اور چینی اقدام کی مذمت کی۔ لیکن بعد میں خروشچیف نے ہند، چین سرحدی تنازعہ کے بارے میں مکمل غیر جانبداری کا اعلان کیا۔

("پراودا" Pravda۔ یکم نومبر 1959)

بھارت کی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (CPI) کی رائے دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ کمیونسٹ لیڈر ڈانگے نے بھارتی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے چینی اقدامات کی مذمت کی اور نہرو کو کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (CPI) کی طرف سے مکمل حمایت کا یقین دلایا۔ کچھ صوبائی شاخوں نے بھی ڈانگے کے نقطہ نظر کی تائید کی۔ لیکن مغربی بنگال کی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار سوادھناتا (Swadhinata) نے لداخ کے واقعے کے بارے میں چینی نکتہ نظر کی حمایت کی اور چین کی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار رن من رباؤ (Rinmin Ribao) میں 24 اکتوبر کو چھپنے والی مکمل رپورٹ اپنے اخبار میں شائع کی۔ اخبار نے جیوتی باسو (Jyoti Basu) کا بیان بھی شائع کیا جس میں چینی موقف کی مکمل حمایت کی گئی تھی۔

(جمن رے "ہاؤ ماسکو سیز کشمیر" صفحہ 65)

پاکستان کے صدر ایوب خان نے 23 اکتوبر 1959ء کو اعلان کیا کہ حکومت

پاکستان عنقریب عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ سرحدی معاملات پر بات چیت کا آغاز کرنے والی ہے۔ ایک ماہ کے اندر یہ تجویز باقاعدہ حکومت چین کو بھیج دی گئی۔ اس دوران حکومت پاکستان کو چین کی طرف سے ایک نقشہ موصول ہوا جس میں ہنزہ کو چین کا حصہ دکھایا گیا تھا۔ پاکستان کا دفتر خارجہ اس سلسلے میں مصدقہ اور بین الاقوامی طور پر قابل قبول مواد اکٹھا کر رہا تھا تاکہ پاکستان اور چین کے درمیان صحیح خطوط پر سرحدوں کی نشاندہی کی جاسکے۔

("پاکستان ٹائمز" 25 اکتوبر 1959ء)

پاکستان میں چین کے سفیر نے ان خبروں کو بے بنیاد قرار دیا کہ چین نے پاکستان کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ بھارت اور چین کے درمیان سرحدی معاملات پر مذاکرات کے دوران چین نے قراقرم کے مغرب میں پاکستان کے زیر کنٹرول کشمیر کی سرحدوں کے بارے میں کوئی بات کرنے سے صاف انکار کر دیا جب تک کہ مسئلہ کشمیر کا حتمی فیصلہ نہ ہو جائے۔

☆ 15 جنوری 1961ء کو پاکستان کے وزیر خارجہ منظور قادر نے طلبہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ چین نے اس بات سے اصولی طور پر اتفاق کر لیا ہے کہ چین اور پاکستان کے درمیان سرحدوں کی نشاندہی کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری بات چیت جاری ہے اور سرحدوں کی نشاندہی اس وقت عمل میں لائی جائے گی جب دونوں حکومتیں معاہدہ پر دستخط کر دیں گی۔ پانچ دن بعد ایوب خان نے یہاں میں اعلان کیا کہ چین اور پاکستان کے درمیان غیر متعین سرحدیں موجود ہیں۔ ہم نے چین سے درخواست کی ہے کہ باہم مل کر ان سرحدوں کا تعین کیا جائے۔ ہمیں ایسے

اشارے ملے ہیں کہ چین ہماری تجویز کو قبول کرنے پر تیار ہے۔

(روزنامہ "ڈان" کراچی 20 جنوری 1961ء)

بھارت نے پاکستان سے احتجاج کیا کہ کشمیر نے 1947ء میں بھارت کے ساتھ الحاق کرلیا ہے اور پاکستان کی چین کے ساتھ کوئی سرحد نہیں ملتی جس کی نشاندہی کی جائے۔ جموں کشمیر سارے کا سارا بھارت کا حصہ ہے۔

(Statesman "سٹیٹس مین" 17 جنوری 1961ء)

صدر ایوب خان نے بھارت کا احتجاج مسترد کردیا اور چین کی حکومت کے ساتھ سرحدوں کی نشاندہی کا کام جاری رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

☆ دسمبر 1961ء پاکستان نے چین کے سفیر ڈنگ گویو (Ding Guoyu) نے صدر ایوب خان کے ساتھ ملاقات کرکے سرحدوں کے تعین کی بات چیت کا آغاز کیا۔ ساتھ ہی چین کی حکومت نے سرکاری طور پر "کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا" اور واضح کیا کہ درّہ قراقرم کے مغرب میں کشمیر کی چین کے ساتھ سرحدوں کے بارے میں بھی بات چیت نہیں کرے گا۔

("ایشین ریکارڈر" 1961ء صفحہ 38-39)

چین کے اس دوٹوک اظہار نے بھارت میں زبردست ردعمل پیدا کیا اور بھارت نے اقصائے چین میں اپنی عسکری پوزیشن کو مضبوط بنانا شروع کردیا۔ بھارت نے سری نگر سے لیہ تک اپنی سپلائی لائن کو مستحکم کرنے کا آغاز کیا اور درّہ قراقرم کے قریب سنکیانگ اور وسط ایشیا کے داخلے کے مقام پر ایک نئی چوکی قائم کی۔

نومبر 1961ء میں چین نے بھارت کو خبردار کیا تھا کہ وہ لداخ میں اپنی

موجودہ فوجی سرگرمیوں کو بند کرے جو کہ خطرناک صورتحال پیدا کررہی ہیں۔

1962ء کے بہار میں بھارت اقصائے چین میں اپنی فوجی کاروائیاں جاری رکھے ہوئے تھا جس سے اس خطے کی عسکری صورتحال میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ بھارت نے اس علاقے میں 43 نئی چوکیاں قائم کیں۔

12 فروری 1962ء کو چین نے پاکستان کو اطلاع دی کہ وہ سرحدوں کی نشاندہی پر بات چیت کرنے کے لئے تیار ہے۔ پاکستان نے چین کے اس پیغام کو سرحدی معاہدے کے سلسلے میں آگے کی طرف ایک قدم قرار دیا۔

(روزنامہ "ڈان" 27 اپریل 1962ء)

☆ 3 مئی 1962ء کو چین اور پاکستان نے اعلان کیا کہ وہ چین کے علاقہ سنکیانگ اور پاکستان کے زیر کنٹرول کشمیر کی درمیانی سرحدوں کی نشاندہی پر متفق ہوگئے ہیں۔ یہ معاہدہ مسئلہ کشمیر کے حل ہونے تک قائم رہے گا اور مسئلہ کشمیر کے حل ہونے کے بعد اس علاقے کی بااختیار حکومت کے ساتھ یہ معاملہ حتمی طور پر طے کرلیا جائے گا۔

(اخبار "شن ہوا" (Xinhua) 3 مئی 1962ء)

☆ بھارت نے چین اور پاکستان دونوں سے زبردست احتجاج کیا۔ اور پاکستان کے اس اختیار کو چیلنج کیا جس کے تحت وہ کشمیر کے اس علاقے کی سرحدوں کا چین کے ساتھ مل کر تعین کررہا ہے جو اس وقت اس کے کنٹرول میں ہیں۔

چین نے بھارت کے اس احتجاج کو مسترد کرتے ہوئے واضح کیا کہ:

"چین نے کبھی کشمیر پر بھارت کے استحقاق کو تسلیم نہیں کیا۔"

چین نے بھارت کو چیلنج کیا کہ ایسی کوئی دستاویز یا تحریری ثبوت پیش کرے

جس میں چین نے کشمیر کو بھارت کا حصہ قرار دیا ہو۔

("وائٹ پیپر نمبر VI" صفحہ 102-99)

اس دوران چین اور پاکستان کے درمیان مذاکرات جاری رہے۔ جولائی 1962ء میں بیجنگ اور راولپنڈی کے درمیان نقشوں کا تبادلہ ہوا۔ 13 اکتوبر کو باقاعدہ مذاکرات کا آغاز ہو گیا۔ 26 دسمبر 1962ء کو چینی حکومت نے اعلان کیا کہ اصولی طور پر چین اور پاکستان کے درمیان مکمل اتفاق رائے ہے ایک معاہدہ طے پا گیا ہے۔ دو دن بعد اعلان کیا گیا کہ سرحدی معاہدہ پر عنقریب دستخط ہو جائیں گے۔

(روزنامہ "ڈان" کراچی 29 دسمبر 1962ء)

☆ آخر کار 2 مارچ 1963ء کو چین اور پاکستان نے سرحدی معاہدے پر دستخط کر دیے معاہدے کے آرٹیکل نمبر 6 میں کہا گیا ہے:۔

Article No.6

"The two parties have agreed that after the settlement of the KASHMIR DISPUTE between Pakistan and India the sovereign authority concerned will reopen negotiations with the Government of the Peoples Republic of China on the boundary of Kashmir as described in the article 2 of the present agreement so as to sign a boundary treaty to replace the present agreement."

پاک چین سرحدی معاہدے پر عوامی حلقوں میں زبردست خوشی کا اظہار کیا گیا۔ بیجنگ میں ریلی سے خطاب کرتے ہوئے وزیر خارجہ "چن ژی" (Chen Yi) نے کہا اس معاہدے میں کشمیر کے سوال پر خصوصی توجہ دی گئی۔ کشمیر کا مستقبل ابھی تک حل طلب ہے۔ چینی حکومت توقع رکھتی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ پر امن طریقے سے طے

کر لیا جائے گا۔"

("سنہوا" (Xinhua) 2 مارچ 1963ء)

☆ پاکستانی وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو سے ایک ملاقات میں چیئرمین ماؤزے تنگ نے کہا:

مجھے افسوس ہے کہ جب اکتوبر 1962ء میں چینی افواج بھارت کے اندر دباؤ ڈال رہی تھیں، پاکستان نے کشمیر کو آزاد کرانے کا موقع ضائع کر دیا کیونکہ وہ امریکہ کی طرف دیکھتا رہا۔

("انڈین ایکسپریس" 28 جولائی 1963ء)

☆ 1964ء میں وزیر اعظم چواین لائی اور وزیر خارجہ چن ژی نے پاکستان کا دورہ کیا۔ دورے کے اختتام پر ایوب خان کے ساتھ ایک مشترکہ اعلامیہ میں چواین لائی نے یہ امید ظاہر کی:۔

"کشمیر کا تنازعہ کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق حل کر لیا جائے گا۔"

چین نے اس مسئلے کے حل میں مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

("سنہوا" (Xinhua) 24-25 فروری 1964ء)

خلاصہ:

پچھلے چند صفحات میں 1947ء سے 1964ء تک مسئلہ کشمیر کے بارے میں عوامی جمہوریہ چین کے سرکاری نقطہ نظر کی عکاسی کی گئی ہے۔ ان میں سے چند باتیں خاص طور پر خصوصی توجہ کی طالب ہیں جن میں چین کی اعلیٰ قیادت نے کشمیر کے بارے میں اپنے بے لاگ اور دو ٹوک موقف کی وضاحت کی ہے:۔

● جون 1957ء میں چیئرمین ماؤزے تنگ نے سوویت یونین سے اپیل کی کہ وہ کشمیر کے بارے میں غیر جانبداری کا رویہ اپنائے۔

● 1961ء میں عوامی جمہوریہ چین کی حکومت نے سرکاری طور پر بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

● 1962ء میں چین کی حکومت نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ کشمیر پر بھارت کے استحقاق کو تسلیم نہیں کرتی۔

● 1964ء میں وزیر اعظم چو این لائی اور وزیر خارجہ چن ژی کے دورہ پاکستان کے اختتام پر صدر ایوب خان کے ساتھ ایک مشترکہ اعلامیہ میں یہ الفاظ درج کرائے گئے کہ ''کشمیر کا تنازعہ کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق حل کیا جائے گا۔''

● پاک چین سرحدی معاہدے کی شق نمبر 6 میں یہ بات ریکارڈ پر لائی گئی کہ سرحدوں کے بارے میں حتمی معاہدہ (Treaty) مسئلہ کشمیر کے حل ہونے کے بعد متعلقہ مقتدر حکومت کے ساتھ طے کر لیا جائے گا۔

درج بالا نکات میں سے اہم ترین نکتہ جون 1957ء میں چیئرمین ماؤزے تنگ کی طرف سے سوویت روس کی حکومت سے مسئلہ کشمیر کے بارے میں غیر جانبداری کی اپیل ہے۔ اس اپیل کا ایک خاص اور اہم پس منظر ہے۔ جب تک اس پس منظر کو نہ سمجھا جائے چیئرمین ماؤ کی اپیل کی آفاقیت اور ہمہ گیری کو سمجھنا مشکل ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ سوویت روس کی حکومت نے 1949ء کے بعد کشمیر کے بارے میں بھارت کے حق میں ایک جانبدارانہ طرز عمل اپنایا ہوا تھا جس کی تفصیل مختصر الفاظ میں ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں۔ سوویت روس کا طرزِ عمل:

بھارت نے یکم جنوری 1948ء کو مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں پیش کر دیا، بھارت کی شکایت یہ تھی کہ ''کشمیر نے جائز طور پر بھارت کے ساتھ الحاق کر لیا ہے، پاکستان اس خطے میں گڑبڑ پیدا کر رہا ہے۔ سلامتی کونسل پاکستان سے کہے کہ وہ اپنے شہریوں اور قبائلیوں کو ریاست میں داخل ہونے سے روکے۔'' پاکستان نے اپنے جواب میں بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو چیلنج کیا اور کہا کہ وہ قبائلیوں کی کوئی مدد نہیں کر رہا۔

اقوام متحدہ میں ابتدا میں سوویت روس نے بالکل غیر جانبداری کا رویہ اپنائے رکھا۔ انہوں نے بھارت کے ایسے نقشے شائع کیے جن میں کشمیر کو بھارت اور پاکستان دونوں سے الگ ریاست ظاہر کیا گیا تھا۔

(ایمن رے "ہاؤ ماسکو سیز کشمیر" صفحہ 10)

22 جنوری کو جب سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر کا نام بدل کر ''ھند پاک'' مسئلہ بنا دیا گیا۔ تو روسی نمائندے نے کونسل کے صدر کے اس اختیار کو چیلنج کیا کہ مسئلہ پر کونسل میں بحث کے بغیر ہی بدل دیا گیا۔

(ایضاً صفحہ 9)

بھارت کی کمیونسٹ پارٹی نے نہرو کی حکومت پر، جو کہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی نمائندہ تھی الزام لگایا کہ وہ کشمیر کے معاشی طور پر دولت سے مالا مال خطے کا استحصال کرنے کے لئے قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ وہ کشمیر کو فوجی طاقت سے تقسیم کرنے کا خیال چھوڑ دیں اور کشمیریوں کو اپنے مستقبل کا آزادانہ

فیصلہ کر کے خودمختار ملک بنتے دیں۔

("کراس روڈز" 6 جنوری 1956ء صفحہ 4)

دسمبر 1951ء میں سلامتی کونسل کا اجلاس ڈاکٹر گراہم کی رپورٹ پر بحث کرنے کے لئے منعقد ہوا۔ روس کے نمائندے جیکب ملک نے امریکہ اور برطانیہ پر الزام لگایا، کہ وہ اپنے مفادات کے لئے کشمیر کے مسئلہ میں مداخلت کر رہے ہیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ کشمیر کا مسئلہ اب تک کیوں حل نہیں ہو رہا۔ اور امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے پیش کی گئی تجاویز کیوں نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ان تجاویز کا مقصد کشمیر کے مسئلے کو حل کرنا نہیں بلکہ ان کے ذریعہ یہ دونوں ممالک اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کشمیر کو اینگلو امریکن نوآبادی بنا دینا چاہتے ہیں۔

(سلامتی کونسل کا سرکاری ریکارڈ۔ 60واں اجلاس 1952)

جیکب ملک نے کہا:

"سوویت روس کی حکومت یہ سمجھتی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ اس طرح حل ہو سکتا ہے کہ کشمیر کے عوام کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ کشمیر کی آئینی حیثیت کا فیصلہ بغیر کسی بیرونی مداخلت کے اپنی رائے سے خود کریں۔"

(ایضاً)

اس سے قبل 1948ء میں پاکستان نے سوویت یونین کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے کی تجویز پیش کی تو اس سے سٹالن کو بہت خوشی ہوئی۔ ماسکو اور کراچی دونوں جگہ بہت مسرت کا اظہار کیا گیا۔ سٹالن نے پاکستان کی ہمدردیاں جیتنے

کے لئے وزیراعظم لیاقت علی خان کو دورہ ماسکو کی دعوت دی لیکن لیاقت علی خان وہاں نہ گئے۔ قدرتی طور پر سٹالن کو اس پر سخت حیرت ہوئی اور رنج بھی۔ گرم جوشی کا یہ ماحول زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ پاکستان امریکہ کی طرف قدم قدم بڑھتا رہا۔ 1949ء میں لیاقت علی خان نے امریکہ کا دورہ کیا حالانکہ سٹالن نے اس نے پہلے دورہ ماسکو کی دعوت دے رکھی تھی، لیاقت علی کے دورہ امریکہ سے پاکستان کی پالیسی میں تبدیلی کا آغاز ہو گیا۔

پاکستان نے پہلے بغداد پیکٹ اور پھر سیٹو (Seato) میں شمولیت اختیار کی تو سوویت روس نے اس اقدام کی سخت مذمت کی۔ نہرو نے بھی کوئی وقت ضائع کئے بغیر پاکستان کو خبردار کیا کہ امریکی اسلحہ کی اس خطے میں آمد سے پاک بھارت مسائل پر جاری مذاکرات، خاص کر مسئلہ کشمیر پر الٹا اثر پڑے گا۔ امریکی اسلحہ کی پاکستان میں آمد سے سوویت یونین کی پالیسی میں بھی زبردست تبدیلی آ گئی۔ روس کے سرکاری ہفت روزہ "نیو ٹائمز" میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں اعلان کیا گیا کہ۔۔۔

"سوویت یونین کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ حصہ سمجھتا ہے اور بھارت کی کشمیر پالیسی کی مکمل حمایت کرتا ہے۔"

(ہیمن رے "ہاؤ ماسکو سیز کشمیر" صفحہ 33)

دسمبر 1955ء میں سوویت روس کے رہنماؤں نکیتا خروشچیف اور نکولائی بلغانن سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"کشمیر کا مسئلہ کشمیری عوام طے کر چکے ہیں، کشمیر کے بارے میں سوویت یونین کا نکتہ نظر بالکل واضح اور شفاف ہے کہ کشمیر، جمہوریہ ہندوستان کے

صوبوں میں سے ایک ہے۔"

(میمن رے "ہاؤ ماسکو سیز کشمیر" صفحہ 34)

مارچ 1956ء میں روسی رہنما اناستاس مکویان (Anastas Mikoyan) نے بھارت کے دورے میں اعلان کیا کہ "سوویت یونین کشمیر کو بھارت کا ایک حصہ سمجھتا ہے۔" دل چسپ بات یہ ہے کہ صرف ایک دن پہلے مکویان نے بھارت جاتے ہوئے کراچی میں ایک دن گزارا۔ وہاں اس نے اعلان کیا کہ۔۔۔

"کشمیر کا فیصلہ ہمارا کام نہیں ہے، یہ کام کشمیر عوام کا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں خود فیصلہ کریں"

("پاکستان ٹائمز" 20 مارچ 1956ء)

فروری 1957ء میں کشمیر کا مسئلہ پھر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے سامنے آیا جب 14 فروری کو امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا اور کیوبا نے ایک قرارداد کا مسودہ سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا۔ 19 فروری کو روسی نمائندے سوبولیف (Sobolev) نے سلامتی کونسل کے سامنے اپنی حکومت کا نکتہ نظر پیش کرتے ہوئے بتایا کہ ان کی نظر میں کشمیر کا مسئلہ کشمیری عوام خود حل کر چکے ہیں اور وہ کشمیر کو بھارت کا ناقابل تقسیم حصہ سمجھتے ہیں۔ اس مسئلے کو دوبارہ چھیڑنا بلاوجہ نئے مقامی جھگڑے کھڑے کرنے کے مترادف ہوگا۔ قرارداد میں یہ تجویز بھی شامل تھی کہ کشمیر سے بیرونی افواج کے انخلا (Demilitarization) کے لئے عارضی طور پر اقوام متحدہ کے فوجی دستے بھیجے جائیں۔ مسٹر سوبولیف نے اس پر بھی سخت اعتراض کیا اور کہا کہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں اسکی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے قرارداد کی ہر شق کو ہدف تنقید بنایا اور

یو۔این چارٹر سے متصادم قرار دیا۔

آخر کار یہ قرارداد روس کے ہاتھوں ویٹو (Veto) ہوگئی۔

سوویت ویٹو کے بعد سلامتی کونسل کے تین ممالک آسٹریلیا، برطانیہ، اور امریکہ نے ایک اور نرم قرارداد کا مسودہ سلامتی کونسل میں پیش کیا۔ 21 فروری 1959ء کو قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے روسی نمائندہ سوبولیف نے سلامتی کونسل کو خبردار کیا کہ مغرب کی طرف سے کسی ایسی کارروائی کو روکنے کے لئے جس کا مقصد کوئی ایسی قرارداد عائد کرنا ہو جو ہندوستان کے لئے قابل قبول نہ ہو سوویت ویٹو ہر وقت موجود رہے گا۔

(میمن رے "ہاؤ ماسکو سیز کشمیر" صفحہ 44)

مارچ 1958 میں حکومت پاکستان نے ایک وفد میں اس غرض سے وزیر اعظم چو این لائی کے پاس بیجنگ بھیجا کہ وہ سوویت روس کی کشمیر کے بارے میں اپنی روش بدلنے پر آمادہ کریں۔

(روزنامہ "ڈان" 9 مارچ 1958ء)

لیکن سوویت یونین کی حکومت نے پاکستان کی خاطر چین کی ایسی کوئی تجویز ماننے سے انکار کر دیا جس کا مقصد کشمیر کے بارے میں بھارت نواز (Pro India) پالیسی کو ترک کرنا ہو۔

(میمن رے "ہاؤ ماسکو سیز کشمیر" صفحہ 45)

مارچ 1959ء میں سوویت یونین نے اے آندریف (A. Andreev) کی زیر قیادت ایک وفد سری نگر بھیجا تا کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ روس کشمیر کو بھارت کا حصہ

سمجھتا ہے۔ آندریف نے سری نگر میں بار بار یہ بات دہرائی کہ ''کشمیر جمہوریہ ہند کا ایک لازمی حصہ ہے۔''

27 اپریل 1962ء کو کشمیر کا سوال ایک بار پھر سلامتی کونسل میں زیر بحث آیا۔

اس اجلاس میں حسب سابق روسی نمائندے ''پلیٹون موروزوف'' (Platon Morozov) نے بھارت کی مکمل حمایت کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ''کشمیر جمہوریہ ہند کا ایک لازمی حصہ ہے اور کشمیر کا مسئلہ کشمیری عوام کی طرف سے حتمی طور پر طے ہو چکا ہے۔ رائے شماری آج سے 14 سال پہلے تو ہو سکتی تھی لیکن اب یہ زائد المیعاد ہو چکی ہے۔ سوویت روس ایسی کوئی تجویز برداشت نہیں کرے گا جس سے زندگی کی حقیقتوں میں خلل پیدا ہو۔''

(جیمن رے ''ہاؤ ماسکو سیز کشمیر'' صفحہ 47)

21 جون 1962ء کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں مسئلہ کشمیر پھر زیر بحث آیا۔
امریکی نمائندہ نے اراکین کونسل کی آراء سننے کے بعد قرار دیا کہ کونسل کے ممبران میں کئی معاملات میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے جن میں یہ امور شامل ہیں۔

۱۔ فریقین کی یقین دہانی کہ وہ طاقت کے استعمال سے گریز کریں گے۔
۲۔ سلامتی کونسل اور UNCIP کی قراردادیں قابل عمل (Applicable) ہیں۔
۳۔ بھارت اور پاکستان کو پُر امن مذاکرات کا آغاز کرنا چاہیے۔
۴۔ کسی غیر جانبدار تیسرے فریق کی خدمات حاصل کی جانی چاہیئں۔
۵۔ اس معاملے میں سلامتی کونسل کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔

بحث جاری تھی کہ آئرلینڈ کے نمائندے نے ایک قرارداد کا مسودہ پیش کیا۔

برطانوی نمائندے نے اس کی تائید کی۔ اس قرارداد کا حشر اس وقت ظاہر ہو گیا جب روسی نمائندے نے اس کی مکمل مخالفت کا اعلان کیا۔ 23 جون کو جب آئرلینڈ کی قرارداد رائے شماری کے لئے پیش کی گئی تو سوویت روس نے اسے ویٹو کر دیا۔

پنڈت نہرو نے آئرلینڈ کی قرارداد کو ویٹو کرنے پر سوویت روس کا شکریہ ادا کیا۔

(''دی ہندو'' 29 جون 1962ء)

جنوری 1964ء صدر ایوب خان نے سوویت روس کی حکومت کو خط لکھا جس میں ان سے مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل میں لانے کے لئے ان کی مدد کی درخواست کی۔

ماسکو نے صدر پاکستان کی تجویز کو مسترد کر دیا اور حکومت پاکستان پر واضح کیا کہ سوویت روس کی کشمیر پالیسی بالکل واضح ہے کہ ''کشمیر بھارت کا ایک ناقابل تقسیم حصہ ہے۔''

ماسکو نے صدر پاکستان کو یہ بھی مشورہ دیا کہ انہیں ہندوستان کے ساتھ اپنے مسائل کا پُر امن حل اپنے پرانے دوستوں (امریکہ) اور نئے دوستوں (چین) کی مداخلت کے بغیر ڈھونڈ نکالنا چاہیے۔

(''ہندوستان ٹائمز'' 28 جنوری 1964ء)

اپریل 1964ء میں کلکتہ میں روس کے کونسل جنرل وائینوف (Voinof) نے بیان دیا کہ ان کی حکومت کشمیر کو بھارت کا لازمی حصہ سمجھتی ہے اور ہمیشہ بھارت کی علاقائی سالمیت کے تحفظ میں اس کا ساتھ دے گی۔ جولائی 1964ء میں بھارت کے وزیر تعلیم چھاگلہ نے روس کا دورہ کیا تو روس کے وزیر خارجہ گرومیکو نے انہیں یقین

دلایا کہ ماسکو کشمیر کے معاملے میں ہمیشہ بھارت کی حمایت کرتا رہے گا۔

("ٹائمز آف انڈیا" 31 جولائی 1964ء)

نومبر 1964ء میں ماسکو میں روس کے نئے وزیر اعظم الیکسی کوسی جن بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی کو یقین دلایا کہ کشمیر کے بارے میں روس کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور "ہم کشمیر کو بھارت کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں۔"

("ہندوستان ٹائمز" 29 نومبر 1964ء)

گزشتہ صفحات میں ہم نے 1955ء سے 1964ء تک سلامتی کونسل کی کارروائیوں میں مسئلہ کشمیر کے بارے میں سوویت حکومت کے طرز عمل کا خلاصہ پیش کیا۔ مختصر طور پر سوویت روس کی حکومت کی بحث کا خلاصہ یہ رہا ہے:۔

ا۔ کشمیری عوام کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کر چکے ہیں وہ بھارت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اب کشمیر کا کوئی مسئلہ باقی نہیں ہے۔

۲۔ سوویت روس کی حکومت کشمیر کو بھارت کا ایک لازمی حصہ سمجھتی ہے اور اس کی حمایت کرتی ہے۔

سوویت یونین کے اس موقف پر مزید بات کرنے سے پہلے ہم مختصر طور پر کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ کے متفقہ منظور شدہ فیصلوں کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں۔

مسئلہ کشمیر حکومت ہندوستان نے یکم جنوری 1948ء کو اقوام متحدہ میں پیش کیا۔ 13 اگست 1948ء کو اقوام متحدہ کے الیکشن برائے ہندو پاکستان (UNCIP) کی قرارداد نمبر UNCIP-S/1100 منظور ہوئی جس کے حصہ سوم میں کہا گیا:۔

"The final disposition of the state of Jammu & Kashmir will be made in accordance with the will of the

people, expressed through democratic method of a free and impartial plebisc ite, conducted under the auspices of the United Nations."

"ریاست جموں کشمیر کے مستقبل کا حتمی فیصلہ عوامی رائے اور خواہش کے مطابق اقوام متحدہ کی نگرانی میں جمہوری طریقے سے کرائے گئے آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے سے کیا جائے گا۔"

اس کے بعد 14 مارچ 1950ء کو منظور ہونے والی قرارداد نمبر S/1469، 30 مارچ 1950ء کو منظور ہونے والی قرارداد نمبر S/2013، 24 جنوری 1957ء کی قرارداد نمبر S/3779 اور 2 دسمبر 1957ء کی پاس ہونے والی قرارداد نمبر S/3922 میں سلامتی کونسل کے اس فیصلے کا بار بار اعادہ کیا گیا۔

یہ وہ قراردادیں ہیں جنہیں سوویت یونین نے ویٹو نہیں کیا۔ ان پر عمل درآمد ہونا ابھی باقی ہے اقوام متحدہ اس بات کا مختلف مواقع پر اعلان کر چکی ہے کہ سلامتی کونسل کی قراردادیں اس وقت تک قابل عمل رہتی ہیں جب تک ان پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔ یہ کبھی زائد المیعاد نہیں ہوتیں۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ جب ان قراردادوں پر ابھی تک عمل درآمد ہی نہیں ہوا اور کشمیر میں استصواب رائے ہوا ہی نہیں تو کشمیر کس قانون اور قاعدے کے مطابق بھارت کا لازمی حصہ بن گیا ہے۔ اور کشمیری عوام نے وہ فیصلہ کب اور کس موقع پر دیا ہے جس کا ذکر سوویت روس کے لیڈر بار بار دہرا رہے ہیں۔

تعجب کی بات ہے کہ سوویت روس جو کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کے انقلابی نظریات اور وی آئی لینن کی انتھک جدوجہد کے نتیجے میں آمریت، جاگیرداری

اور سرمایہ داری کو شکست دے کر دنیا کی ایک عظیم طاقت بن گئی ہے۔ یہ بات نہایت افسوس ناک ہے کہ ان عظیم انقلابی قائدین کو ماننے والے روسی قائدین دبی ہوئی اور پسی ہوئی قوموں کی جدوجہد آزادی میں مددگار ہونے کی بجائے ان چھوٹی اقوام کا استحصال کرنے والے سامراجی ممالک کا ساتھ دے رہے ہیں۔

عظیم مفکر کارل مارکس کو علامہ اقبال نے شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:۔

آں کلیم بے تجلی و مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

☆ کارل مارکس کا قول ہے:۔

"No nation can be free if it opperessesother nations."

''جو قوم دوسری قوموں پر جبر اور حکم کرتی ہے، آزاد قوم نہیں کہلا سکتی''

(KarlMarx "ShortBiography " P29)

☆ قوموں کے حق خود اختیاری کے بارے میں وی آئی لینن کہتے ہیں:۔

''زبردستی الحاق قوم کی خود اختیاری کی خلاف ورزی ہے اس کا مطلب ہے کہ آبادی کی مرضی کے خلاف ایک ریاست کی سرحدیں قائم کی جائیں۔''

(لینن "قوموں کا حق خود اختیاری" صفحہ 179)

زبردستی کے الحاق کے بارے میں کامریڈ سٹالن کا نقطہ نظر کیا ہے:۔

☆ Comrade Stalin says:

"... No union of people, no amalgamation of peoples into a single state, can be durable unless it is based on absolutely voluntary consent, unless the people involved

themselves desire to unite."

''قوموں کا آپس میں اتحاد یا ادغام تب تک دیرپا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی بنیاد مکمل طور پر رضا کارانہ رضامندی پر نہ ہو، جب تک کہ متعلقہ قومیں از خود متحد ہونے کی خواہش نہ کریں۔''

("Social & State Structure of USSR " P.67)

اشتراکیت کے ان عظیم رہنماؤں کے فرمودات کی روشنی میں سلامتی کونسل میں سوویت رہنماؤں کا کشمیر کے بارے میں رویہ بلاجواز ہے۔ سوویت یونین یہ سب کچھ ہندوستان کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے۔ ڈیڑھ کروڑ انسانوں کے حق خود اختیاری کا انہیں کوئی خیال نہیں ہے۔

اس تناظر میں چیئرمین ماؤ کی روس سے سلامتی کونسل میں غیر جانبدارانہ رہنے کی اپیل حق، صداقت اور انسانی دوستی کے عین مطابق ہے۔ اگر سوویت یونین سلامتی کونسل کی قراردادیں ویٹو نہ کرواتی تو کشمیر کا مسئلہ حل ہونے کی کوئی صورت نکل آئی ہوتی۔

بہر حال اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ "چیئرمین ماؤ کشمیری عوام کے سچے خیر خواہ اور دوست تھے۔"

ھند چین جنگ کے بارے میں شیخ محمد عبداللہ کا تبصرہ:

''(مقدمہ سازش میں) ہم نے اپنا دفاع شروع کیا ہی تھا کہ ہندوستان کے سیاسی حالات نے ایک زبردست پلٹا کھایا۔ ہندی چینی بھائی بھائی کے نعرے

لگاتے ہوئے ہندوستانی حکمران اپنے گلے خشک کرتے آئے تھے۔ لیکن اچانک چین کے ساتھ ان کی لداخ اور نیفا (Nefa) کی سرحدوں پر ایسی ٹھن گئی کہ فوج کشی کی نوبت آ گئی۔ چین نے تبت اور سنکیانگ کے صوبے کو ملانے کے لئے اقصائے چین کے علاقے سے ایک شاہراہ چوری چھپے تعمیر کر لی تھی اور وہ ہندوستان کے بہت سے دوسرے علاقوں میں گھس آئے تھے۔ لڑائی ہوئی تو ہندوستان کو زبردست پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا کافی جانی نقصان ہوا اور اسے اپنے علاقے میں اندر تک دھکیل دیا گیا۔ ہندوستانی فوج کے سپاہیوں کی بڑی تعداد کو چینیوں نے جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ اور ان کے کثیر سامان حرب پر قبضہ کر لیا گیا۔ نیفا میں چین کی پیش قدمی ایسی تیزی سے ہوئی کہ ایک وقت ہندوستان نے آسام کو خالی کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ کلکتہ کو غیر محفوظ سمجھا جانے لگا۔"

(شیخ محمد عبداللہ "آتش چنار" صفحہ 717)

نوٹ اس بارے میں روسی اور چینی اخبارات کے حوالے ہیمن رے کی کتاب "ہاؤ ماسکو سیز کشمیر" سے دیئے گئے ہیں۔

(Hemen Ray "How Moscow Sees Kashmir")

وزیراعظم چواین لائی سے شیخ عبداللہ کی ملاقات:

"30 مارچ 1965ء کو شیخ عبداللہ مرحوم کی چینی وزیراعظم چواین لائی سے الجزائر میں ملاقات ہوئی اس ملاقات کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب "آتش چنار" میں ان الفاظ میں کیا ہے:-

"میری چواین لائی سے علیک سلیک ہوئی۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے

ہاتھ ملایا اور شام کو مجھے الگ ملنے کے لئے وقت دیا۔ چنانچہ جب میں اور بیگ صاحب وقت مقررہ پر ان کی قیام گاہ پر پہنچے تو وہ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

ہم نے ان سے اس معاہدے کے متعلق دریافت کیا جو ان ہی دنوں چین اور پاکستان کے مابین گلگت کے سرحدی معاملات کے متعلق ہوا تھا۔ چواین لائی نے ٹھہر ٹھہر کر لیکن مستحکم لہجے جواب دیا کہ "چین اپنے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ تعلقات بہتر بنانا چاہتا ہے اس لئے وہ تمام جھگڑوں کو جن میں سرحدوں کے جھگڑے بھی شامل ہیں اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ہنسی خوشی نبھانا چاہتا ہے۔ کشمیر کے شمال کی طرف گلگت پاکستان کی تحویل میں ہے، اس کی سرحد چونکہ چین کے ساتھ ملتی ہے اس لئے اس کا تعین چین کے نکتہ نگاہ سے ضروری تھا۔ لیکن اس معاہدے میں ہم نے ایک شرط یہ لگا دی ہے کہ یہ معاہدہ اس وقت تک برقرار ہے جب تک کہ گلگت پاکستان کی تحویل میں ہے۔ اگر کسی سمجھوتے کی وجہ سے آئندہ حالات بدل جائیں تو ہندوستان یا کسی اور فریق کو جو گلگت کا والی بن جائے حق حاصل ہوگا کہ وہ اس معاہدے میں ترمیم اور تبدیلی کا مطالبہ کرے۔

اسکے بعد چین اور ہندوستان کے تعلقات پر بات چلی اور ہم ان کی وسعت مطالعہ پر دنگ ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ "ہندوستان خود ایک توسیع پسند ذہنیت رکھتا ہے لیکن الٹا الزام چین پر تھوپتا ہے۔ چین اتنا وسیع ملک ہے اور اس کے پاس اس قدر علاقہ ہے کہ مزید زمین ڈھونڈنے کی نہ ضرورت

ہے اور نہ فرصت۔"

انہوں نے جواہر لعل نہرو کی لکھی ہوئی کتابوں کے کچھ اقتباسات کا حوالہ دیا اور کہا کہ نہرو خود تحریری طور پر ہندوستان کے توسیع پسندانہ عزائم کا خاکہ کھینچ چکے ہیں اور اب ہندوستان ان خاکوں میں رنگ بھرنے کے لئے کوشاں ہے۔ وہ اپنے اردگرد کے علاقوں تک ہی کیا، جاوا اور سماٹرا کو بھی اپنے سامراجی محور کے علاقے خیال کرتے ہیں اور اپنی ظاہری روشن خیالی کے غلاف میں قدیم ہندو راج کی تجدید اور توسیع کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔

چواین لائی نے ہم سے سوال کیا" کیا آپ کبھی چین گئے ہیں؟" جب ہم نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے بڑا تعجب ظاہر کیا اور کہا" چین تو آپ کا اس قدر قریبی پڑوسی ہے کہ آپ اپنے مکان کی چھت سے اس کے پہاڑوں کی چوٹیاں گن سکتے ہیں۔اور پھر چین اور کشمیر کے ماضی میں بہت سے روابط رہے ہیں۔"

انہوں نے ہمیں چین آ کر وہاں کی سیر کرنے اور کشمیر کے متصل چینی علاقوں کے حالات دیکھنے کی دعوت دی۔۔۔ چواین لائی نے ہمیں صلاح دی کہ ہم انڈونیشیا پہنچ جائیں۔وہاں سے ہمیں چین پہنچنے میں آسانی ہوگی۔ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ چین جانے کا شوق کسی کو نہیں ہے۔ مناسب وقت پر ہم ضرور چین دیکھنے کے لئے وقت نکالیں گے۔ملاقات ایک خوشگوار انداز میں ختم ہوئی اور چینی وزیراعظم نے مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں رخصت کیا۔"

بھارت کے مشہور اخبار"ہندو" نے شیخ عبداللہ۔ چواین لائی ملاقات کے بارے میں حسب ذیل تبصرہ شائع کیا:

"17 مارچ 1965ء کو شیخ عبداللہ نے لندن سے لال بہادر شاستری کے نام ایک خط میں کشمیر میں اندھیر گردی کا الزام لگایا اور چین کی طرف سے کشمیری عوام کے حق خودارادیت کی حمایت پر خوشی کا اظہار کیا، جس کا اعلان 3 مارچ 1965ء کو چواین لائی اور ایوب خان کے ایک مشترکہ اعلامیے میں کیا گیا ہے۔

30 مارچ 1965ء کو الجزیرہ میں شیخ عبداللہ کی چواین لائی سے ملاقات ہوئی اس ملاقات میں شیخ عبداللہ نے چینی وزیراعظم سے"خود مختار کشمیر" کے منصوبہ کی تائید اور حمایت کی درخواست کی۔ چواین لائی نے یقین دلایا کہ عوامی جمہوریہ چین کشمیری عوام کے حق خودارادیت کی حمایت کرتا رہے گا۔ چواین لائی شیخ عبداللہ کو چین کا دورہ کرنے کی دعوت دی، جسے انہوں نے قبول کرلیا۔

ہندوستانی حکومت کو شیخ عبداللہ کے چین نواز اور پاکستان نواز طرز عمل سے بہت پریشانی لاحق ہوئی اور انہیں بھارت کے لئے ایک تشویش ناک خطرہ قرار دیا جانے لگا۔ چنانچہ جب وہ ہندوستان واپس آگئے تو انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔"

(روزنامہ "ہندو" 17 اپریل 1965ء)

باب: 11

کہنے کی بات

فروری 1996ء میں جمہوریہ ازبکستان کی وزارت خارجہ کے مشیر پروفیسر خدایا توف گوگا نے آزاد کشمیر کا دورہ کیا۔ مظفر آباد کے سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں ایک اخباری کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کشمیر اور وسط ایشیا کے تعلقات پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور مستقبل میں ان رشتوں کو دوبارہ استوار کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ انہوں نے ازبکستان کی اقتصادی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

"اس وقت ازبکستان میں ساٹھ (60) بلین کیوبک میٹر گیس پیدا ہو رہی ہے۔ ہم ازبک عوام کو مفت گیس فراہم کر رہے ہیں۔ پاکستان کو افغانستان کے راستے گیس پہنچانے کی منصوبہ بندی ہو رہی ہے۔ اگر کشمیر کے لوگ دلچسپی رکھتے ہوں تو ہم یہاں خنجراب کے راستے گیس سپلائی کر سکتے ہیں، تا کہ یہاں کم لاگت پر انڈسٹریز (Industries) قائم ہو سکیں۔"

کشمیر کے مستقبل کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر خدایا توف گوگا نے کہا:۔

"کشمیر کو ایک یونٹ کی حیثیت سے قائم رہنا چاہیئے اور اس کی تقسیم نہیں ہونی چاہیئے۔ تاشقند میں کشمیر کا کلچرل ونگ (Cultural Wing) قائم ہونا چاہیئے۔ جو ہمارے درمیان حائل رکاوٹوں کو دور کر کے راستوں کو کھولے اور ہم اپنے خونی رشتوں کو استوار کر سکیں۔"

(روزنامہ "جنگ" و "خبریں" 13 فروری 1996)

scaned by israr mughal

info secrtary jammu and kashmir liberation front

مظفر آباد میں کوئی ذمہ دار قومی حکومت قائم ہوتی تو ازبکستان کی اس فراخدلانہ پیش کش کو بلا حیل و حجت قبول کرتی۔ اس طرح نہ صرف اس عظیم ہمسایہ ملک کے ساتھ صدیوں کے تجارتی رشتے دوبارہ استوار ہوتے۔ بلکہ اس کے نتیجہ میں آزاد کشمیر میں تعمیر و ترقی کے ایک شاندار دور کا آغاز ہو جاتا۔ لیکن یہاں تو پروفیسر خدایا توف کی اس پرخلوص پیش کش کا کسی نے نوٹس تک نہ لیا۔ ان کا کسی نے شکریہ تک ادا نہ کیا۔

کیا ہم ایک بے حس قوم ہیں؟ کیا ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس وقت وادی کشمیر میں 80 فی صد اور پوری ریاست میں 65 فی صد مسلم اکثریت کی جو خصوصیت ہمیں حاصل ہے یہ کہاں سے پیدا ہوئی ہے؟ آج سے چھ سو سال قبل تو یہاں شاید ایک بھی مسلمان نہ تھا۔ یہ وسط ایشیا کے ان علاقوں، جن میں ازبکستان بھی شامل ہے کا ہم پر احسان ہے کہ وہاں سے حضرت شرف الدین بلبل شاہ، سمنانی برادران، حضرت سید علی ہمدانی اور ان کے ہمراہ آئے ہوئے 700 علماء اور مختلف فنون کے ماہرین، ہندو کش اور قراقرم کے دشوار گزار دروں سے گزر کر یہاں تبلیغ اسلام کرتے رہے اور اس پورے خطے کو اسلام کے نور سے منور کرایا۔ حضرت شاہ ہمدان یہاں تین بار آئے اور کشمیر کے علاوہ ملحقہ چینی علاقے سنکیانگ میں تبلیغ کا کامیاب فریضہ سرانجام دیا۔ وہ یہاں کسی ہوائی جہاز میں بیٹھ کر نہیں آتے تھے اس زمانے میں تو موٹریں بھی ایجاد نہ ہوئی تھیں۔ یہ لوگ سینکڑوں میل کے فاصلے پیدل طے کرتے تھے اور اپنے مشن کو کامیاب بناتے تھے۔ ہمارے نامور مورخ پنڈت پریم ناتھ بزاز نے ان بزرگان کی کوشش سے تیزی سے اسلام کی ترویج کو آزادی کی طرف قدم قرار دیا اور کہا کہ "اسلام نے کشمیر کی مردہ روح کو حیات نو بخشی۔"

ہم نے گزشتہ ابواب میں کشمیر کے عظیم ہمسایہ چین کے علاوہ وسط ایشیا کی ریاستوں کے ساتھ سیاسی، ثقافتی، تجارتی، علمی، ادبی اور مذہبی تعلیمی رشتوں کا جائزہ لیا ہے۔ ہم نے چین اور سنٹرل ایشیا سے تجارتی قافلوں کی کشمیر آمد و رفت کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے، یہ سب اس زمانے کی بات ہے جب یہ تمام سرگرمیاں فلک بوس کوہستانوں کے دشوار گزار دروں سے پیدل یا گھوڑوں پر سرانجام دی جاتی تھیں۔ اب جبکہ ذرائع مواصلات میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ انقلابی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ مہینوں کے فاصلے گھنٹوں میں طے ہوتے ہیں۔ ان سرگرمیوں میں دس گنا ترقی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن صورت حال اس کے برعکس ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ یہ ساری سرگرمیاں ماند کیوں پڑ رہی ہیں اس کی واحد وجہ ہمارے لیڈروں خاص کر حکمران رہنماؤں کی بے حسی ہے۔ 54 سال سے ہمارا وطن دو حصوں میں منقسم ہے۔ دونوں جگہ حکومتیں قائم ہیں لیکن یہ حکومتیں عوام نے نہیں بنائیں۔ ان کی طاقت اور اختیار کا سرچشمہ دہلی اور اسلام آباد کی حکومتیں ہیں، کشمیر کے عوام نہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ مظفر آباد والے سری نگر کی حکومت کو کٹھ پتلی بتاتے ہیں اور سری نگر والے مظفر آباد کی حکومت کو یہی نام دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی کٹھ پتلی ہیں۔ بھارتی حکومت کشمیر میں نام نہاد انتخابات کے ذریعہ اپنے پٹھوؤں کو اقتدار میں لے آتی ہے۔ اب تو وہاں سری نگر کا اقتدار ایک وراثت بن گیا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ برسراقتدار تھے تو انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹے فاروق عبداللہ کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ اور اب صرف چند ہفتے قبل فاروق عبداللہ نے اپنے بیٹے عمر عبداللہ کی اپنے جانشین کے طور پر باقاعدہ تاج پوشی کی

ہے۔ یہاں آزاد کشمیر میں کیا ہو رہا ہے۔

ہم اگر بات کریں گے تو شکایت ہوگی۔

پاکستان کے ایک کالم نگار نے روزنامہ "جنگ" میں مظفر آباد میں حکومت سازی کے بارے میں ایک کالم لکھا تھا۔ ہم اسے من وعن شائع کر رہے ہیں:۔

"آزاد کشمیر میں اب تک جو بھی حکومت قائم ہوئی ہے اس میں پاکستان کی وفاقی حکومت کا دخل رہا ہے۔ آج تک کوئی بھی حکومت وفاقی حکومت کی آشیر باد کے بغیر قائم نہیں ہوئی اور وزارت امور کشمیر نے آزاد کشمیر کی حکومتوں کے قیام میں اہم رول انجام دیا ہے۔ آزاد کشمیر میں پہلی حکومت کی تبدیلی اس وقت ہوئی جب شہید ملت لیاقت علی خاں وزیر اعظم تھے۔ اس دور میں مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ صدر کا انتخاب کرتی تھی۔ مجلس عاملہ کی سفارش اور شہید ملت کی خواہش کے مطابق کرنل احمد علی شاہ کو صدر مقرر کیا گیا ان کے بعد بھی جو حکومتیں قائم ہوئیں ان میں وزیر اعظم پاکستان کی خواہش کا احترام کیا گیا۔ سکندر مرزا کے دور حکومت میں ایک بار سردار عبدالقیوم صدر مقرر ہوئے۔ حسین شہید سہروردی وزیر اعظم مقرر ہوئے تو اس دور میں آزاد کشمیر میں ایک تبدیلی رونما ہوئی اور سردار ابراہیم کو صدر مقرر کیا گیا۔ 1958ء میں پاکستان میں مارشل لاء کا نفاذ عمل میں آیا اور ایوب خان نے آزاد کشمیر میں بھی تبدیلی کا فیصلہ کر لیا۔ وہ کے ایچ خورشید کو آزاد کشمیر کی سیاست میں لائے۔ پھر ایک وقت آیا جب خورشید کو صدارت سے علیحدہ کیا گیا اور عبدالحمید خان کو آزاد کشمیر میں اہم ذمہ داری

سونپی گئی۔ ایوب خان کے دور میں سٹیٹ کونسل کے انتخاب ہوئے اور صدارت کے لئے عبدالحمید خان کی حمایت کی گئی۔ آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں کے احتجاج کے باوجود ایوب خان کی مرضی کے مطابق صدر کا انتخاب عمل میں آیا۔ ایوب خان کے بعد حکومت یحییٰ خان کو ملی، انہوں نے فوج کے ایک اعلیٰ افسر عبدالرحمان کو آزاد کشمیر کا صدر مقرر کیا۔ بھٹو کے دور حکومت میں ان کی خواہش کے مطابق عبدالحمید خان کی حکومت قائم ہوئی۔ جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں میجر جنرل (ر) حیات خان اور پھر سردار عبدالقیوم خان کی حکومت قائم ہوئی۔۔۔۔۔"

"سیاسی مبصرین کا کہنا ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ آزاد کشمیر کے 42 سال میں تاریخ میں جتنی تبدیلیاں آئی ہیں ان میں پاکستان کی وفاقی حکومت کو دخل رہا ہے اور اب 29 جون 1990ء کے وزیر اعظم کے انتخاب کے بعد قائم ہونے والی حکومت وزارت امور کشمیر اور وفاقی حکومت کی خواہش کے مطابق ہی قائم ہو رہی ہو۔"

("جنگ" 28 جون 1990ء)

دنیا کے کئی ممالک سیاسی حالات کے نتیجہ میں تقسیم کے عذابوں سے گزرتے رہے ہیں۔ جرمنی 45 سال تک دو حصوں میں تقسیم رہا۔ لیکن آخر 1990ء میں متحد ہو گیا۔ کیونکہ دونوں طرف کے عوام اور حکمرانوں میں ایک ہونے کی خواہش موجود تھی۔ مشرق کا ایک عظیم ملک کوریا نصف صدی سے دو حصوں میں بٹا ہوا تھا (شمالی کوریا اور جنوبی کوریا) دونوں اقوام متحدہ کے ممبر تھے لیکن متحد ہونے کی خواہش دونوں جگہ موجود

تھی بلکہ گزشتہ کئی سال سے اس پر کام بھی ہو رہا ہے۔ گزشتہ اولمپک کھیلوں میں دونوں کوریا شامل تھے۔ اختتامی تقریب میں دنیا یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ دونوں کوریاؤں کے کھلاڑیوں نے کوریا کا ایک ہی جھنڈا تھام رکھا ہے اور تماشائیوں سے داد وصول کر رہے ہیں۔

ہمارا وطن بھی اسی صورتحال سے دوچار ہے۔ لیکن حکومتوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ اپنے منقسم وطن کے اتحاد اور سالمیت کے لئے کوئی اقدام کریں گے، اور چین اور وسط ایشیا کے ممالک سے صدیوں پرانے گہرے تعلقات کی بحالی کے لئے کوئی قدم اٹھائیں گے، خیال خام ہے۔ یہ حضرات تو اپنے حصے میں بعض علاقوں کو اس طرح بھول چکے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ آزاد کشمیر کے حکمرانوں میں کسی کو آج تک یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ گلگت، سکردو، ہنزہ، گوپس یاسین وغیرہ میں سے کسی علاقے کا دورہ کریں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اسلام آباد ان سے ناراض ہو جائے گا۔

ایک امید باقی رہتی ہے۔ ہماری نوجوان نسل اس صورتحال کی طرف توجہ دے کر ایک مضبوط پروگرام کی طرف قدم اٹھا سکتی ہے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

نوجوانوں کو سیاسی نعرہ بازی کے تحت نہیں بلکہ خالصتاً علمی اور تحقیقی مقاصد کے تحت اپنے پڑوس کے تمام ممالک کے ساتھ صدیوں پرانے تعلقات کی بحالی کے لئے بار بار ان علاقوں کے سیاحتی دورے کرنے چاہئیں اور ان ممالک سے بھی نوجوانوں کو کشمیر آنے کی دعوت دینی چاہیے۔ اس پر دیانتداری سے کام کیا جائے تو نہایت مثبت نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔

کتابیات

مکمل تاریخ کشمیر .... محمد دین فوق

پاکستان کی سیاسی تاریخ .... زاہد چوہدری

آتش چنار .... شیخ محمد عبداللہ

تحریک آزادی کشمیر .... محمد سرور عباس

کشمیر کی مختصر تاریخ .... محمد امین پنڈت

ظفر نامہ .... شرف الدین

گوتم بدھ .... محمد حنیف سعید

مشرق کے عظیم مفکر .... ترجمہ یاسر جواد

ہمارا ادب .... مرغوب بانہالی

وادیٔ حسرت وادیٔ موت .... ولیم بیکر

تنظیم آزادی فلسطین .... پروفیسر محمد سرور

بیسویں صدی کی قومی آزادی کی تحریکیں .... عباس احمد آزاد

کے ایچ خورشید کی یاد میں .... غلام رسول سندھو

قوموں کا حق خود اختیاری .... لینن

ادبی دنیا۔ کشمیر نمبر